فہرست مضامین

جولائی ۲۰۰۴ء

سخنان

جولائی کا شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مہینہ جمادی الاول اور جمادی الآخر کو مصادف ہے۔ ۱۵/ جمادی الاول حضرت امام سجاد زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عید میلاد ہے۔ ہم اس سعادت و برکت کے ماہ محترم میں آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کر رہے ہیں ساتھ ہی یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت کی زندگی کا عمیق نظر اور بیدار ذہن سے مطالعہ فرمائیں۔

حضرت کے ان گنت فضائل میں یہ بھی ہے کہ کربلا کی سرگذشت کا وہی حصہ معتبر ہے جو حضرت کی زبانی ہم تک پہونچا ہے۔ حضرت نے وقت کے ماحول کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنے فریضۂ تبلیغ کو جس طرح بندوں سے خطاب کے بجائے معبود سے خطاب کی شکل میں ڈھالا ہے وہ اہلبیتؑ کی زندگی کا ایک تاریخی موڑ ہے۔

حضرت کی دعاؤں کی محض تلاوت کافی نہیں ہے ضرورت ہے کہ حضرت نے جو مضامین و مفاہیم پیش کئے ہیں ان سے سبق لیا جائے اور اگر آج کی دنیا میں سکون و فراغت کے ساتھ بسر کرنا ہو تو اپنی زندگی کو انہیں تعلیمات کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ خداوند بزرگ و برتر ہم سب کو اس کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ (آمین)

لکھنؤ میں انسانیت بچاؤ احتجاج کی روداد آپ کی خدمت میں پہنچ چکی ہے۔ ۲۰/ جون کو دہلی میں بھی مظاہرہ کیا گیا جس کی رہنمائی معین الشریعہ مولانا کلب جواد نقوی صاحب قبلہ (امام جمعہ لکھنؤ) دام ظلہ العالی نے دوسرے علماء و فضلاء و دانشوران ملت و اکابر ملک کی رفاقت سے کیا۔ ہم اس کے بارے میں اپنے قلم سے کیا عرض کریں اپنے بے لاگ اظہار خیال کے لئے مشہور ''دس روزہ توحید میل'' میں دہلی مظاہرہ کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے اس کا ایک نہایت مختصر حصہ آپ کے ملاحظہ میں پیش کرتے ہیں۔ معاصر رقمطراز ہیں کہ

''اگر آپ جمہوری مغربی انداز نظر نہ اپنائیں اور بندوں کو گنیں نہیں تولیں تو دہلی کی ریلی بہت باوزن و باوقار تھی۔ لکھنؤ میں دوارکا پیٹھ کے شنکر آچاریہ سوامی سروپانند سرسوتی مہاراج کے نمائندہ نے شرکت کی تھی جب کہ دہلی کے مظاہرہ میں مہاراج جی بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے اور مہاراج نے ہی چار گھنٹے جاری رہنے والے اس جلسے کی مسند صدارت کو رونق بخشی۔

لکھنؤ سے شاہ فضل الرحمٰن واعظی ندوی کے علاوہ کسی اور ممتاز سنی عالم کے تشریف لے جانے کی اطلاع نہیں ہے مگر دہلی میں ڈاکٹر مولانا مکرم احمد صاحب امام شاہی مسجد فتح پوری اور ملی فاؤنڈیشن کے صدر اور امت کے نہایت سرگرم و بیدار مغز رہنما مولانا اسرار الحق قاسمی صاحب تشریف رکھتے تھے۔ ہندو بزرگوں میں شنکر آچاریہ جی کے علاوہ مشہور آریہ سماجی اور

سیاسی رہنما سوامی اگنی ویش شریک تھے اس لیے اس مظاہر کی دھمک لندن اور واشنگٹن میں زیادہ زور سے محسوس کی گئی ہوگی۔''

افسوس ہے کہ ملت کے اس اتحاد، اس بیداری اور احساس فرض کے اس منظر سے کچھ آنکھوں کو تکلیف ہوئی ہے۔ ایک ہوائی یہ چھوڑی گئی کہ مفکر اسلام الحاج ڈکٹر مولانا سید کلب صادق نقوی صاحب قبلہ دام وجودہ الشریف کا کما حقہ دہلی میں اعزاز ملحوظ نہیں رکھا گیا پھر بعد میں دکتر مولانا مکرم احمد صاحب امام شاہی مسجد فتحپوری نئی دہلی کا نام نامی بھی اس میں جوڑ دیا گیا اور مولانا سید علی تقوی صاحب قبلہ دام برکاتہ (امام جمعہ دہلی) کا اسم گرامی بطور تتمہ کے لگا دیا گیا۔ ان حضرات کا احترام نہ ذرہ برابر کم ہوا نہ ذرہ برابر ان حضرات کی دلچسپی کم ہوئی۔ حکیم امت مولانا کلب صادق نقوی صاحب نے از راہ انکسار یہ چاہا کہ مہمانوں کو اظہار خیال کا بہتر موقع دیا جائے اس لئے موصوف نے تقریر نہیں فرمائی۔ اس الزام کی تردید معین الشریعہ اور چند دوسرے شیعہ، سنی علماء نے ایک بیان کے ذریعہ کردی تھی لیکن یہ غلط بیانی مسلسل ہو رہی ہے اور ہر بار ایک نئے نام کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ خداوند کریم اپنے بندوں کو خاص کر کلمہ گویوں کو اور بطور اخص ولائے اہلبیتؑ کے دعویداروں کو شرورنفوس سے محفوظ رکھے اور اس پریشاں حال امت پر اپنوں کے مظالم کا سلسلہ روکے۔

اس سلسلے میں اور بھی کچھ مہملات اطلاع میں آئے ہیں مثلاً یہ کہ ''مشاہد مقدسہ پر حملے کے خلاف ریلی'' کی بجائے ''تحفظ انسانیت ریلی'' کیوں کہا گیا۔

حیرت ہے کہ بغض وحسد نے شعور کو اتنا دھیما کر دیا ہے کہ یہ بات سمجھ ہی میں نہیں آتی کہ مشاہد مقدسہ پر حملہ سے بڑھ کر غیر انسانی کون سی حرکت ہو سکتی ہے اگر ہم تحفظ مشاہد مقدسۂ محسنین وشہداء انسانیت کو تحفظ انسانیت کہتے ہیں تو یہ بالکل حق بجانب ہے۔ ہم ان متبرک ومقدس یادگاروں کے تحفظ سے بڑا کوئی اور انسانی فریضہ نہیں سمجھتے ہیں۔

اس میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے کہ امریکہ نے جن لوگوں کو عراق کا اقتدار سونپا ہے اس میں غلبہ اس کے اپنے آلۂ کار افراد کا ہے اگر دو چار حق شناس ہوں بھی تو اس کا ثمرہ کیا ہے۔

آقائے مقتدیٰ الصدر کا شجاعانہ اقدام بہرحال قابل ستائش ہے اور ہماری اطلاع میں نہیں ہے کہ مرجع معظم حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ آقائی السید علی الحسینی السیستانی مَتَّعَ اللّٰہُ الْمُسْلِمِیْنَ بِطُوْلِ بَقَائِہٖ نے آقائی صدر کے خلاف کوئی فتویٰ جاری کیا ہو۔ بقیہ اور بھی اس طرح کی افواہ سننے میں آتی ہیں ان کے بارے میں اس شعر کے علاوہ اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آخر میں کچھ دیگر نوک جھوک کے عادی اشخاص کے لیے بارگاہ قاضی الحاجات میں دعا ہے کہ انہیں صحت مند دانش وبینش عطا فرماتا کہ ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے ان سے ہمیں یہ نہ کہنا پڑے کہ

ع۔ ''نظریں تو بنائے ہیں نظر پیدا کر''

(ادارہ)

قرآن شناسی

قرآن سے تمسک

اوراس کے احکام پرعمل

آیۃ اللہ العظمیٰ شیخ جوادی آملی مدظلہ

ترجمہ: جناب سید احتشام عباس زیدی صاحب

قرآن سے تمسک اختیار کرنا: ـ قرآن سے تمسک اوراس پرعمل کے باب میں ''کافی'' کے اندر کئی روایتیں نقل ہوئی ہیں جن میں سے ایک طویل حدیث یہاں نقل کررہے ہیں امام صادق علیہ السلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّکُمْ فِی دَارِ هُدْنَةٍ وَ اَنْتُمْ عَلیٰ ظَهْرِ سَفَرٍ وَ السَّیْرُ بِکُمْ سَرِیْعٌ '' اے لوگو! ابھی تم آرام کی جگہ اور صلح وآشتی کی منزل میں زندگی بسر کررہے ہو۔ تم ابھی راہ میں ہو اور تمہیں تیزی کے ساتھ لے جایا جارہا ہے۔

''وَقَدْ رَأَیْتُمُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ یُبْلِیَانِ کُلَّ جَدِیْدٍ وَ یُقَرِّبَانِ کُلَّ بَعِیْدٍ وَ یَأْتِیَانِ بِکُلِّ مَوْعُوْدٍ فَاَعِدُّوا الْجِهَازَ لِبُعْدِ الْمَجَازِ '' بلاشبہ تم نے دیکھا کہ شب وروز اور آفتاب و ماہتاب کی گردشیں ہرنئی چیز کو کہنہ بنادیتی ہیں اور ہر دوری کو نزدیک کردیتی ہیں اور زمانہ کی یہ رفتار ہر وعدہ کی ہوئی چیز کو تمہارے سامنے پیش کرتی ہے، پس طویل مسافت کے لئے وسیلہ مہیا کرو کیونکہ تمہاری گزرگاہ اور عبور کی جگہ بہت دور ہے اوراس کے لئے وسیلہ کی ضرورت ہے۔

''قَالَ :فَقَامَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْاَسْوَدِ فَقَالَ:یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا دَارُ الْهُدْنَةِ؟ قَالَ دَارُ بَلَاغٍ وَ انْقِطَاعٍ '' اس وقت مقداد بن اسود کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ دار ہدنہ کیا ہے؟ فرمایا: ایسا گھر جو پہنچانے والا اور جدا کرنے والا ہے (کیونکہ انسان کو آخرت کی منزل تک پہنچاتا ہے اور انسان دنیا میں جس جس چیز سے لگاؤ اور دوستی رکھتا ہے اس سے اسے جدا کردیتا ہے)

قرآن شفیع بھی ہے اور شاکی بھی: ـ ''فَاِذَا الْتَبَسَتْ عَلَیْکُمُ الْفِتَنُ کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ فَعَلَیْکُمْ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّهُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَ مَاحِلٌ مُصَدَّقٌ '' پس اگر فتنے پرآشوب تاریک رات کے حصوں کے مانند تمہیں ڈھانپ لیں تو قرآن کی طرف رجوع کرو کیونکہ قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت خدا کے یہاں مقبول ہے اور ایسا عرض گزار ہے جس کی شکایت قابل قبول ہے۔

سچ ہے! اگر قرآن قیامت کے دن تمہاری شفاعت کرے اور تمہارے حق میں کلام کرے تاکہ خدا تمہارے ساتھ از روئے عدل پیش نہ آئے بلکہ رحمت کو عدل کا ساتھی قرار دے اور صرف خدائے عادل نہیں بلکہ خدائے

عادل ورحیم تمہارا حساب وکتاب کرے تو قرآن کی شفاعت مقبول قرار پائے گی۔ چنانچہ اگر خداوند عالم صرف عدالت کے ساتھ آپ کا حساب وکتاب کرے گا تو بڑی مشکل پیش آئے گی لیکن اگر رحمت بھی عدالت کے ساتھ شامل ہوگئی اور دونوں نے باہم آپ کا حساب وکتاب کیا تو نجات کی امید پیدا ہوجائے گی۔

جس طرح قرآن کی شفاعت خدا کے نزدیک قبول ہے یوں ہی اگر خدانخواستہ وہ تمہاری شکایت کرے اور تمہاری بداعمالیاں بیان کرے اور روز جزا کے مالک سے تمہاری شکایت کرے تو خداوند عالم اس کی شکایت کی تصدیق کرے گا کیونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے پس اگر وہ بندوں کی شکایت صاحب کلام تک پہنچائے تو متکلم اپنے کلام کی تصدیق کرے گا اور اس پر یقین کرے گا اور وہ دن بہت سخت و دشوار ہے کہ قرآن مجید شفاعت کے بجائے ہماری شکایت کرے۔

قرآن بہترین رہنما: ۔''وَمَنْ جَعَلَهٗ اَمَامَهٗ قَادَهٗ اِلَی الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهٗ خَلْفَهٗ سَاقَهٗ اِلَی النَّارِ'' جو قرآن کو اپنے سامنے رکھے اور اس کی پیروی کرے تو قرآن اس کا ذمہ دار وضامن ہوگا اور اسے جنت کی جانب روانہ کرے گا اور جو شخص قرآن کو پس پشت ڈال دے (نَبَذَ کِتَابَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظَهْرِهٖ) قرآن اسے دوزخ اور عذاب الٰہی کی طرف ہنکالے جائے گا۔

''وَهُوَ الدَّلِیْلُ یَدُلُّ عَلٰی خَیْرِ سَبِیْلٍ'' اور قران ایسا راہنما ہے جو بہترین راہ کی نشان دہی کرتا ہے۔

''وَهُوَ کِتَابٌ فِیْهِ تَفْصِیْلٌ وَبَیَانٌ وَتَحْصِیْلٌ وَهُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْهَزْلِ'' وہ ایسی کتاب ہے جس میں ہر چیز کی تفصیل اور اس کا بیان ہے، اس سے حقائق حاصل ہوتے ہیں اور کوئی مبہم بیان اسمیں نہیں پایا جاتا۔ وہ جو بات بھی کہتا ہے سنجیدہ اور فیصلہ کنندہ ہے اس میں کبھی مذاق اور غیر سنجیدگی نہیں پائی جاتی۔

باطن قرآن کو سمجھنے کے لئے وراثتی علم ضروری ہے

''لَهٗ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ'' قرآن میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

قرآن کے ظاہر کو ظاہری علوم کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باطن کو ظاہری علوم سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص تھا جو ایک مدرسہ کا استاد تھا اور اس نے فقہی و دینی مسائل میں کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ایک روز امام صادق علیہ السلام نے اس سے دریافت فرمایا: ''بِمَاذَا تُفْتِی النَّاسَ'' کس چیز کے ذریعہ فتویٰ دیتے ہو؟ اس نے عرض کی: ''بِالْقُرْآنِ'' میں قرآن سے لوگوں کو فتویٰ دیتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا: تو قرآن سے فتویٰ دیتا ہے جبکہ خداوند عالم نے تجھے قرآن سے ایک حرف بھی عطا نہیں کیا ہے اور تو نے قرآن کے ایک حرف کی بھی میراث نہیں پائی ہے ''وَمَا وَرَّثَکَ اللّٰهُ مِنَ الْقُرْآنِ حَرْفًا۔''

وہ شخص جو ایک فرقہ کا پیشوا تھا اور جس نے قرآن کے احکام و مسائل سے متعلق کتابیں لکھی تھیں امامؑ اس سے فرماتے ہیں تجھے قرآن کا ایک حرف بھی میراث میں نہیں ملا

ہے ! کیونکہ پڑھ لکھ کر حاصل کیا جانے والا علم قرآن کے ظاہر تک تو پہنچا سکتا ہے لیکن باطن قرآن کو وراثتی علم کے بغیر حل نہیں کیا جا سکتا اور جو وارث انبیاءؑ ہے صرف وہی باطن قرآن سے کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر ایسے علماء پیدا ہوں جو حقیقتاً انبیاء اور ان کے اوصاف کے وارث ہوں تو وہ باطن قرآن تک پہنچ سکتے ہیں مگر جس نے عملی طور سے انبیاء کی راہ کو ترک کر دیا اور ظاہر قرآن کا کچھ علم حاصل کر لیا وہ قرآن کی میراث سے کچھ بھی نہ پائے گا۔

''فَظَاهِرُهُ حُكْمٌ وَ بَاطِنُهُ عِلْمٌ، ظَاهِرُهُ اَنِيقٌ وَ بَاطِنُهُ عَمِيقٌ لَهُ تَخُومٌ وَ عَلٰى تَخُومِهِ تَخُومٌ لَا تُحْصىٰ عَجَائِبُهُ وَ لَا تُبْلٰى غَرَائِبُهُ'' قرآن کا ظاہر حکم اور دستور ہے اور اس کا باطن علم و دانش ہے۔ اس کا ظاہر خوبصورت ہے اور باطن دقیق و عمیق اس میں گہرائیاں پائی جاتی ہیں اور ان گہرائیوں میں بھی گہرائیاں ہیں۔ اس کے عجائب وغرائب ناقابل شمار اور سدا بہار ہیں جو کبھی فرسودہ نہ ہوں گے۔ (کیونکہ قرآن صاحب علم وحکمت خدا کی طرف سے آیا ہے اور شب و روز، زمانہ کی گردشوں اور آفتاب و ماہتاب کے طلوع وغروب سے بالاتر ہے لہٰذا وہ کبھی زمان ومکان کی گردشوں سے فرسودہ و کہنہ نہ ہوگا۔)

قرآن الٰہی جلوہ گاہ: ۔''فِيهِ مَصَابِيحُ الْهُدٰى وَ مَنَارُ الْحِكْمَةِ وَ دَلِيلٌ عَلَى الْمَعْرِفَةِ لِمَنْ عَرَفَ الصِّفَةَ فَلْيَجْلُ جَالٍ بَصَرَهُ وَ لْيُبْلِغِ الصِّفَةَ نَظَرَهُ يَنْجُ مِنْ عَطَبٍ وَ يَتَخَلَّصْ مِنْ نَشَبٍ'' قرآن میں ہدایت کے چراغ، حکمت کی نشانیاں اور معرفت کی دلیلیں موجود ہیں لیکن یہ سب اس کے لئے ہے جو ان علامتوں اور صفتوں کو پہچانتا ہو پس آگے بڑھنے والا اور صاحب تحرک یہ چاہتا ہے کہ اپنی آنکھوں کو اور جلا بخشے اور بغور مشاہدہ کرے تاکہ اس صفت کو درک کر سکے نیز ہلاکت سے نجات اور جہالت سے چھٹکارا پا سکے۔

قرآن اس الٰہی سائن بورڈ کے مانند ہے جو انسانی زندگی کی راہ میں نصب کیا گیا ہے لیکن اس کے لئے پاک فطرت کی ضرورت ہے تاکہ اس میں لکھی ہوئی علامتوں اور نشانیوں کو حاصل کر سکے اور حقیقت بینی کی ضرورت ہے تاکہ ان صفات کو دیکھ سکے جو شناخت ومعرفت کا سبب ہیں اور ان صفات کو درک کرتے ہوئے خود کو ہلاکت و جہالت سے دور کرے اور دوسروں کو بھی نجات بخشے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ استدلال فرماتے ہیں:

فَاِنَّ التَّفَكُّرَ حَيَاةُ قَلْبِ الْبَصِيرِ كَمَا يَمْشِي الْمُسْتَنِيرُ فِي الظُّلُمَاتِ بِالنُّورِ فَعَلَيْكُمْ بِحُسْنِ التَّخَلُّصِ وَ قِلَّةِ التَّرَبُّصِ۔ (کافی ج ۲، کتاب فضل القرآن، روایت دوم)

صاحب بصیرت انسان غور وفکر کے ذریعہ زندہ ہے اور فکر ہی انسانی دل کو حیات بخشتی ہے بالکل یوں ہی جیسے روشنی کا طالب نور یا چراغ کے ذریعہ اندھیروں اور تاریکیوں میں راہ طے کرتا ہے پس تم پر لازم ہے کہ بہترین انداز میں نجات و رہائی کی کوشش کرو اور اس کے انتظار میں گم رہو (تم ایسے مسافر کے مانند ہو کہ اگر جلدی نہیں گئے اور خود کو مشغول رکھا تو خواہ مخواہ تمہیں خود ہی لے جایا

جائے گا۔ پس خود زمین پر جم کر نہ رہ جاؤ اور اس سے پہلے کہ لوگ تمہیں لے جائیں تم خود چلے جاؤ اور خود چھٹکارا حاصل کرو اور قید و بند نیز دنیا کے روابط و تعلقات سے اپنا دل ہٹالو۔)

قرآن کی ہدایت و نورانیت:۔ شیخ کلینیؒ امیر المومنین علیہ السلام سے ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے اصحاب و انصار سے فرمایا: اِعْلَمُوْا اَنَّ الْقُرْآنَ هُدَى النَّهَارِ وَ نُوْرُ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ عَلىٰ مَا كَانَ مِنْ جُهْدٍ وَ فَاقَةٍ'' (کافی کتاب فضل القرآن، روایت ششم)

جان لو کہ قرآن دن میں ہدایت اور رات میں روشنی و نورانیت فراہم کرتا ہے اگر چہ حاملان قرآن جد و جہد میں مصروف اور فقر فاقہ میں مبتلا ہوں یعنی مشکلات کا دباؤ اور تنگ دستی ان کی روشن ضمیری میں آڑے نہیں آتی جبکہ اکثر حاملان قرآن زیادہ تر زندگی کے مشکلات اور فقر و تنگدستی کا شکار رہتے ہیں پھر بھی ان دونوں فضیلتوں یعنی دن کی ہدایت اور تاریک رات کی نورانیت سے شرف یاب ہوئے ہیں۔

ابن بابویہ قمیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند محمد حنفیہ سے فرماتے ہیں: ''وَ عَلَيْکَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَ الْعَمَلِ بِهٖ وَ لُزُوْمِ فَرَائِضِهٖ وَ شَرَائِعِهٖ وَ حَلَالِهٖ وَ حَرَامِهٖ وَ اَمْرِهٖ وَ نَهْيِهٖ وَ التَّهَجُّدِ بِهٖ وَ تِلَاوَتِهٖ فِيْ لَيْلِکَ وَ نَهَارِکَ فَاِنَّهٗ عَهْدٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالىٰ اِلىٰ خَلْقِهٖ فَهُوَ وَاجِبٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَنْظُرَ كُلَّ يَوْمٍ فِيْ عَهْدِهٖ وَ لَوْ خَمْسِيْنَ آيَةً۔''

میں تمہیں قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کی تاکید کرتا ہوں۔ تم پر اس کے فرائض، واجبات، شرائع، حلال و حرام اور امر و نہی کی پابندی ضروری ہے، قرآن کے ساتھ شب زندہ داری کرو۔ رات اور دن میں قرآن پڑھنا کیونکہ یہ قرآن خداوند عالم کا اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہوا عہد و پیمان ہے لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خدا کے اس عہد پر نظر ڈالے چاہے ہر روز پچاس آیت ہی کیوں نہ پڑھے۔

جنت کے درجے آیات قرآن کے برابر:۔ ''وَ اعْلَمْ اَنَّ دَرَجَاتِ الْجَنَّةِ عَلىٰ قَدْرِ آيَاتِ الْقُرْآنِ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لِقَارِىءِ الْقُرْآنِ: اِقْرَأْ وَ ارْقَعْ۔''

جان لو کہ جنت کے درجات قرآن کی آیتوں کے برابر ہیں۔ پس جب قیامت کا دن نمودار ہوگا تو قرآن کی تلاوت کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تلاوت کرو اور بلندی حاصل کرو۔ یعنی جس قدر اس دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کی تعلیم حاصل کی تھی اسی قدر قرآن وہاں ظاہر ہوگا اور اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ آخرت میں اس کی ترقی اور درجات کی بلندی دنیا میں اس کے قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی مقدار سے تعلق رکھتی ہے۔ بلاشبہہ جنت میں انبیاء و صدیقین کے بعد حاملان قرآن سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے لہٰذا جنت کے درجوں کو قرآنی آیات کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیے۔

❁❁❁

حضرت سید الساجدین زین العابدین علیہ السلام

آیت اللہ العظمٰی سید علی نقوی النقوی طاب ثراہ

نام ونسب :۔علیؑ نام اور زین العابدین و سید الساجدین نام سے زیادہ مشہور لقب ہیں ۔آپ وہ مخصوص ہستی ہیں جنھوں نے عرب اور عجم دونوں قوموں کی ممتاز شرافتوں کو اپنی ذات میں جمع کرلیا تھا۔دادھیال کی طرف سے روحانی اقتدار کے وارث ہوئے اور نانھیال کی جانب سے ایران کے کسروی خاندان کی شاہانہ ہمت اور بلند اوصاف کے وارث بھی ہوئے ان کے والد بزرگوار رسولخداؐ کے نواسے اور علیؑ اور فاطمہؑ کے بیٹے حضرت امام حسینؑ شہید کربلا تھے اوران کی والدہ آخری تاجدار ایران یزدجرد کی بیٹی شاہ زنان تھیں جو شہربانو کے نام سے زیادہ مشہور ہیں اس وقت کہ جب عرب میں نسلی تعصب انتہا درجہ پر تھا۔عجم کی شہزادی اسیر ہوکر عرب کے ملک میں آئیں ۔کون تھا جو قومی اور نسلی دشمنی کے ہوتے ہوئے شہنشاہ ایران کی لڑکی کو مناسب عزت و احترام کا درجہ دے سکتا ۔ وہ انسانیت کے بڑے علمبردار حضرت علی ابن ابیطالبؑ ہی تھے جنھوں نے ایران کی شہزادی کو اپنے بیٹے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ بیاہ کر عرب کی ملکہ بنا دیا اور خدا نے انہیں کو حضرت امام زین العابدینؑ کی ماں بننے کا شرف عطا فرمایا۔اس طرح امام زین العابدینؑ عرب کے سردار حضرت علیؑ ابن ابیطالبؑ کے پوتے اور عجم کے شہنشاہ یزدجرد کے نواسے تھے اور اسی لئے عرب و عجم سب ہی کی نگاہ میں بڑی عزت کا درجہ رکھتے تھے۔

ولادت :۔حضرت علی ابن ابیطالبؑ کوفہ میں مسند خلافت پر متمکن تھے جب ۱۵/جمادی الثانی ۳۸ھ میں سید سجادؑ کی ولادت ہوئی آپ کے دادا حضرت علی ابن ابیطالبؑ اور سارے خاندان کے لوگ اس مولود کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور شائد علیؑ ہی نے پوتے میں اپنے خدوخال دیکھ کر اس کا اپنے نام پر علیؑ نام رکھا۔

تربیت :۔حضرت امام زین العابدینؑ کو ماں کی محبت بھری پرورش سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں مل سکا اس لئے کہ ان کا آپ کی ولادت کے بعد ہی انتقال ہوگیا تھا ۔اس کے بعد دو برس کا سن تھا جب آپ کے دادا حضرت امیر علیہ السلام کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔امام زین العابدینؑ اپنے چچا حضرت امام حسنؑ اور والد ماجد امام حسینؑ کی تربیت کے سایہ میں پروان چڑھے، بارہ برس کی آپ کی عمر تھی جب حضرت امام حسنؑ کی وفات ہوئی اب امامت کی ذمہ داریاں آپ کے والد حضرت امام حسینؑ سے متعلق تھیں ۔شام کی حکومت پر بنی امیہ کا قبضہ تھا اور واقعات کربلا کے اسباب حسینی جہاد کی منزل کو قریب سے قریب تر لا رہے تھے ۔جب حضرت زین العابدینؑ بلوغ کی منزلوں پر پہونچ کر جوانی کی حدوں میں قدم رکھ رہے تھے زین العابدینؑ نے

آنکھیں کھول کر ان واقعات کی رفتار کو آگے ہی بڑھتے ہوئے دیکھا جنہوں نے بعد میں کربلا کی قربانی کو ضروری قرار دیا۔

شادی:۔اسی زمانہ میں جب کہ امام حسینؑ مدینہ میں خاموشی کی زندگی بسر کر رہے تھے حضرت نے اپنے فرزند سید سجادؑ کی شادی اپنی بھتیجی یعنی حضرت امام حسنؑ کی صاحبزادی کے ساتھ کر دی جن کے بطن سے امام محمد باقرؑ کی ولادت ہوئی اور اس طرح امام حسینؑ نے اپنے بعد کے لئے سلسلۂ امامت کے باقی رہنے کا سامان خود اپنی زندگی میں کر دیا۔

واقعۂ کربلا:۔ ۶۰ھ میں سید سجادؑ کی عمر ۲۲ سال کی تھی جب حضرت امام حسینؑ کو عراق کا سفر درپیش ہوا اور سید سجادؑ بھی ساتھ تھے نہیں کہا جا سکتا کہ راستہ ہی میں یا کربلا پہنچنے کے بعد کہاں آپ بیمار ہوئے اور دس محرم ۶۱ھ کو امام حسینؑ کی شہادت کے موقع پر اس قدر بیمار تھے کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل تھا اور یقین ہے کہ ساتویں سے پانی بند ہونے کے بعد پھر سید سجادؑ کے لئے بھی پانی کا ایک قطرہ ملنا ناممکن ہو گیا۔ ایک ایسے بیمار کے لئے یہ تکلیف برداشت سے باہر تھی ۔عاشور کے دن کے اکثر حصہ میں آپ غشی کے عالم میں رہے اور اسی لئے کربلا کے جہاد میں اس طرح شریک نہ ہو سکے جس طرح ان کے دوسرے بھائی شریک ہوئے اور اسی لئے حضرت امام حسینؑ آخری رخصت کے وقت وہ وصیتیں جو امامت کے منصب سے متعلق تھیں خود سید سجادؑ کے سپرد نہ فرما سکے بلکہ انہیں ایک کاغذ پر لکھ کر اپنی صاحبزادی فاطمہ کبریٰ کے سپرد فرما دیا اور کہہ دیا کہ جب تمہارے بھائی ہوش میں آئیں تو انہیں دے دینا۔قدرت کو سید سجادؑ کا امتحان دوسری طرح لینا تھا وہ حسینؑ کے بعد لٹے ہوئے قیدیوں کے قافلہ سالار بننے والے تھے۔ادھر امام حسینؑ شہید ہوئے ادھر ظالم دشمنوں نے خیام اہل بیتؑ کی طرف رخ کر دیا اور لوٹنا شروع کر دیا ۔اس وقت کا اہل حرم کا اضطراب، خیام میں تہلکہ اور پھر ان ہی خیموں میں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے اس وقت سید سجادؑ کا کیا عالم تھا اس کے اظہار کے لئے کسی زبان یا قلم کو الفاظ ملنا غیر ممکن ہیں مگر کیا کہنا زین العابدینؑ کی عبادت خدا کا انہوں نے اس بیماری، اس مصیبت اور اس آفت میں بھی اپنی عبادت کی شان میں فرق نہ آنے دیا۔ آپ نے گیارہوں محرم کی شب کو نماز فریضہ کے بعد سجدۂ معبود میں خاک پر سر رکھ دیا اور ایک ہی سجدہ میں پوری رات ختم کر دی ۔سجدہ میں یہ کلمات زبان پر تھے ۔ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ حَقّاً حَقّاً لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ اِیْمَاناً وَ صِدْقاً لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ تَعَبُّداً وَ رِقاً (یعنی کوئی معبود نہیں سوائے ایک اللہ کے جو حق ہے یقیناً حق ہے کوئی معبود نہیں سوائے ایک اللہ کے ایمان کی رو سے اور سچائی سے ۔کوئی نہیں معبود سوائے ایک اللہ کے۔ گواہی دیتا ہوں میں اس کی بندگی اور نیازمندی کے ساتھ) یوں ہی صبح ہو گئی۔

دوسرے دن فوج دشمن کے سالار ابن سعد نے اپنے کشتوں کو جمع کیا اور ان پر نماز پڑھ کر دفن کیا مگر حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی لاشوں کو اسی طرح بے گور و کفن زمین گرم کربلا پر دھوپ میں چھوڑ دیا۔ یہ موقع سید سجادؑ کے لئے انتہائی تکلیف کا تھا وہ اس وقت جب دشمن کے ہاتھ میں قید ہو کر بہنوں، پھوپھیوں اور دیگر اہل حرم کے ساتھ مقتل سے

گذر رہے تھے تو یہ حالت تھی کہ قریب تھا کہ روح جسم سے جدا ہو جائے ۔ انہیں اس کا صدمہ تھا کہ وہ اپنے باپ اور دوسرے عزیزوں کو دفن نہ کر سکے ۔ وہ تو دشمنوں کے ہاتھ میں اسیر تھے اور کربلا سے کوفہ لے جائے جا رہے تھے ۔

پھر کتنا دل کو بےچین کرنے والا تھا وہ منظر جب خاندان رسولؐ کا لٹا ہوا قافلہ دربار ابن زیاد میں پہونچا ۔ سید سجادؑ محسوس کر رہے تھے کہ یہ وہی کوفہ ہے جہاں ایک وقت میں علی ابن ابی طالبؑ بادشاہ سمجھے جاتے تھے اور زینبؑ وام کلثومؑ شاہزادیاں، آج اسی کوفہ میں ظالم ابن زیاد تخت حکومت پر بیٹھا ہے اور رسولؐ کا خاندان مقید کھڑا ہے ۔ سید سجادؑ ایک بلند انسان کی طرح انتہائی صدمہ اور تکلیف کے ساتھ بھی ایک کوہ وقار بنے ہوئے خاموش کھڑے تھے ابن زیاد نے اس خاموشی کو توڑا یہ پوچھ کر کہ تمہارا کیا نام ہے؟'' امامؑ نے فرمایا علی ابن الحسینؑ'' وہ کہنے لگا کیا اللہ نے علی ابن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ امام نے جواب دیا'' وہ میرے ایک بھائی علیؑ تھے جنہیں لوگوں نے قتل کر دیا'' وہ سرکش جاہل کہنے لگا نہیں بلکہ اللہ نے قتل کیا امامؑ نے یہ آیت پڑھی کہ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا۔ یعنی اللہ ہی موت کے وقت قبض روح کرتا ہے ۔ یہ دوسری بات ہے جو سب کے لئے ہے ۔ اس پر ابن زیاد کو غصہ آ گیا اور کہا'' تم میں اب بھی مجھ کو جواب دینے اور میری بات رد کرنے کی جرأت ہے'' اور فوراً قتل کا حکم دیا ۔ یہ سننا تھا کہ حضرت زینبؑ دوڑ کر اپنے بھتیجے سے لپٹ گئیں اور کہا کہ مجھ کو بھی اس کے ساتھ قتل کیا جائے ۔ سید سجادؑ نے کہا '' پھوپھی چھوڑ دیجئے اور مجھے ابن زیاد کا جواب دینے دیجئے '' ۔ ابن زیاد تو یہ سمجھا تھا کہ کربلا میں آل محمدؐ کے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر سید سجادؑ کے دل میں موت کا ڈر سما گیا ہوگا اور وہ قتل کی دھمکی سے سہم جائیں گے مگر بہادر حسینؑ کے بہادر فرزند نے تیور بدل کر کہا '' ابن زیاد تو مجھے موت سے ڈراتا ہے کیا ابھی تک تجھے نہیں معلوم کہ قتل ہونا ہماری عادت ہے اور شہادت ہماری فضیلت ہے'' یہ وہ پرزور الفاظ تھے جنہوں نے ظالم کے سر کو جھکا دیا ۔ حکم قتل ختم ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ حسینؑ کی شہادت سے ان کی اولاد اہل حرمؑ پر کوئی خوف نہیں چھایا بلکہ قاتل ہی اس خاندان کے صبر واستقلال کو دیکھ کر خوف زدہ ہو چکے ہیں ۔ کوفہ کے بعد یہ قافلہ دمشق کی طرف روانہ ہوا جس دن دمشق میں داخلہ تھا اس دن وہاں کے بازار خاص اہتمام سے سجائے گئے تھے اور تمام شہر میں آئینہ بندی کی گی تھی اور لوگ آپس میں عید مل رہے تھے ۔ اس وقت حسینؑ کے اہل حرمؑ جو تکلیف محسوس کر رہے تھے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے ایسے وقت انسان کے ہوش وحواس بجا نہیں رہتے مگر وہ سید سجادؑ تھے جو ہر موقع پر ہدایت واصلاح اور حسینی مشن کی تبلیغ کرتے جاتے تھے ۔ جس وقت یہ قافلہ بازار سے گزر رہا تھا تو اموی حکومت کے ایک ہواخواہ نے حضرت سجادؑ سے طنزیہ پوچھا اے فرزند حسینؑ کس کی فتح ہوئی ؟ آپ نے جواب میں فرمایا تم کو اگر معلوم کرنا ہے کہ کس کی فتح ہوئی تو جب نماز کا وقت آئے اور اذان واقامت کہی جائے اس وقت سمجھ لینا کہ کس کی فتح ہوئی ؟ اسی طرح اس وقت جب یہ قافلہ مسجد دمشق کے دروازہ پر پہنچا تو ایک بوڑھا سامنے آیا اور اس نے قیدیوں کو دیکھ کر کہا کہ شکر ہے اس خدا کا

جس نے تم کو تباہ و برباد کیا اور ملک کو تمہارے مردوں سے خالی اور پر امن بنایا اور خلیفۂ وقت یزید کو تم پر غلبہ عطا فرمایا۔ ان اسیروں کے قافلہ سالار حضرت سید سجادؑ سمجھ گئے کہ یہ ہم لوگوں سے واقف نہیں ہے۔ فرمایا کہ اے شیخ کیا تم نے یہ آیت قرآن میں پڑھی ہے قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ کہہ دواے رسولؐ کہ میں سوائے اپنے اہلبیتؑ کی محبت کے تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ بوڑھے نے کہا ہاں یہ آیت میں نے پڑھی ہے فرمایا ''وہ رسولؐ کے اہلبیتؑ ہم ہی ہیں جن کی محبت تم پر فرض ہے'' یوں ہی خمس والی آیت میں جو ذَوِی الْقُرْبیٰ کی لفظ ہے اور آیۂ تطہیر میں اھل بیت کی لفظ ہے یہ سب آپ نے اس کو یاد دلایا۔ بوڑھا یہ سن کر تھوڑی دیر حیرت سے خاموش رہا پھر کہا کیا خدا کی قسم تم لوگ وہی ہو؟ سید سجادؑ نے فرمایا ''ہاں قسم بخدا ہم وہی اہلبیتؑ اور قرابت دار رسولؐ کے ہیں'' یہ سن کر بوڑھا شیخ رونے لگا، عمامہ سر سے پھینک دیا، سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا ''خداوندا گواہ رہنا کہ میں آل محمدؐ کے ہر دشمن سے بیزار ہوں'' پھر امامؑ سے عرض کیا کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ ''فرمایا ''ہاں اگر توبہ کرو تو قبول ہوگی اور ہمارے ساتھ ہوگے'' اس نے عرض کیا میں اس جرم سے توبہ کرتا ہوں جو میں نے واقف نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی شان میں گستاخی کی۔

کوفہ میں دربار ابن زیاد میں اور پھر بازار کوفہ میں اور پھر دمشق میں یزید کے سامنے سید سجادؑ اور دیگر اہل حرمؑ کی بہادرانہ گفتگوئیں، خطبے اور احتجاج وہ تھے جنہوں نے دنیا کو شہادت حسینؑ کا مقصد بتایا اور اس طرح امام زین العابدینؑ نے اس مشن کو پورا کیا جسے امام حسینؑ انجام دے رہے تھے۔

رہائی کے بعد: ۔قید شام سے رہائی کے بعد امام زین العابدینؑ مع اہل حرم مدینہ گئے اور خاموش زندگی گزارنا شروع کی مگر مدینہ میں اب یزید کی خلافت کے خلاف جذبات بھڑک چکے تھے۔ ان لوگوں نے کوشش کی کہ امام زین العابدینؑ کو اپنے ساتھ شریک کرلیا جائے مگر امامؑ ان کی نیت اور ان کے ارادوں کی حالت کو خوب جانتے تھے آپ نے ان کا ساتھ دینا منظور نہیں فرمایا۔ اس لئے مدینہ پر جب یزید کی فوج نے چڑھائی کی تو امام زین العابدینؑ کو بلا وجہ کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی مگر آپ کے روحانی صدمہ کے لئے یہ ہی کافی تھا کہ رسول اللہؐ کی مسجد میں تین روز تک گھوڑے بندھتے رہے، سیکڑوں مسلمان شہید ہوئے اور سیکڑوں شریف عورتوں کی فوج یزید کے ہاتھوں عصمت دری ہوئی۔ یہ مصیبت آپ کے لئے نہایت ناگوار تھی مگر آپ نے صبر واستقلال کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ایسے موقع پر جب کہ شہادت حسینؑ سے ہر طرف انقلاب برپا تھا اور مختلف جماعتیں خون حسینؑ کا بدلہ لینے کے لئے کھڑی ہوئی تھیں۔ حضرت امام زین العابدینؑ کا اس ہنگامہ سے الگ رہ کر صرف عبادت اور تعلیمات الٰہی کی اشاعت میں مصروف رہنا ایک بڑا حیرت ناک ضبط نفس کا نمونہ تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سلیمان ابن صرد خزاعی یا مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی جنہوں نے قاتلان حسینؑ سے انتقام لیا امام زین العابدینؑ کے دل میں ان کے لئے ہمدردی کا جذبہ موجود تھا۔ آپ نے مختار کے لئے دعائے خیر فرمائی ہے آپ

نے برابر لوگوں سے دریافت فرمایا ہے کہ کون کون قاتل، حسینؑ کے قتل ہو گئے۔ یقیناً مختار نے ان قاتلوں کو ان کے جرائم کی سزا دیکر سید سجادؑ کے زخمی دل پر ایک بڑا مرہم لگا دیا مگر آپ کا طرزِ عمل اتنا غیر متعلق اور محتاط رہا کہ حکومت وقت کی طرف سے کوئی ذمہ داری آپ پر ان اقدامات کی کبھی عائد نہ ہوسکی۔

آپ کی پوری زندگی کا دور آلِ محمدؐ اور ان کے شیعوں کے لئے پُر آشوب رہا، یزید کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد حجاج ابن یوسف ثقفی کے ظالم حکومت اور چن چن کر آلِ رسولؐ کے دوستوں کو قتل کرنا، حکومت کی طرف سے ہر ایک نقل و حرکت بلکہ گفتگو پر بھی خفیہ مخبروں کا مقرر ہونا اس صورت میں کہاں ممکن تھا کہ آپ ہدایت خلق کے فرائض کو آزادی کے ساتھ انجام دے سکتے مگر آپ کی خاموش سیرت زندگی ہی دنیا کے لئے بہترین مثال تھی اور اپنی اس خاموش زندگی سے آپ دنیا کو رسول اللہؐ کی سیرت سے روشناس بنا رہے تھے۔

مشاغل زندگی: ۔واقعۂ کربلا کے بعد ۳۴ برس امام زین العابدینؑ نے انتہائی ناگوار حالات میں بڑے صبر و ضبط اور استقلال سے گزارے اس تمام مدت میں آپ دنیا کے شور و شر سے علٰحدہ صرف دو مشغلوں میں رات دن بسر کرتے تھے، ایک عبادت خدا دوسرے اپنے باپ پر گریہ، یہی آپ کی مجلسیں تھیں جو زندگی بھر جاری رہیں آپ جتنا اپنے والد بزرگوار کے مصائب کو یاد کر کے روئے ہیں دنیا میں اتنا کسی نے گریہ نہیں کیا۔ ہر ہر وقت پر آپ کو حسینؑ کی مصیبت یاد آتی تھی جب کھانا سامنے آتا تھا تب روتے تھے جب پانی سامنے آتا تھا تب روتے تھے۔ حسینؑ کی بھوک و پیاس یاد آجاتی تھی تو اکثر اس شدت سے گریہ وزاری فرماتے تھے اور اتنی دیر تک رونے میں مصروف رہتے تھے کہ گھر کے دوسرے لوگ گھبرا جاتے تھے اور انہیں آپ کی زندگی کے لئے خطرہ محسوس ہوجاتا تھا ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آخر کب تک روئیے گا تو فرمایا کہ یعقوب نبیؑ کے بارہ بیٹے تھے ایک فرزند غائب ہوگیا تو وہ اس قدر روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں میرے سامنے تو اٹھارہ عزیز و اقارب جن کا مثل و نظیر دنیا کے پردہ پر نہ تھا قتل ہو گئے ہیں ، میں کیسے نہ روؤں۔

یوں تو یہ رونا بالکل فطری تأثرات کی تحریک سے تھا مگر اس کے ضمن میں نہایت پر امن طریقہ سے حسینؑ کی مظلومیت اور شہادت کا تذکرہ زندہ رہا اور زین العابدینؑ کے غیر معمولی گریہ کے چرچے کے ساتھ شہادت حسینؑ کے واقعات کا تذکرہ فطری طور سے لوگوں کی زبانوں پر آتا رہا جو دوسری صورت میں اس وقت حکومت وقت کے مصالح کے خلاف ہونے کی بنا پر ممنوع قرار پاجاتا۔

دوسری مرتبہ گرفتاری: ۔اتنی پر امن زندگی کے باوجود حکومت شام کو اپنے مقاصد میں حضرت کی ذات سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا اور عبدالملک ابن مروان نے اپنی حکومت کے زمانے میں آپ کو گرفتار کرا کے مدینہ سے شام کی طرف بلوایا اور دو تین دن آپ دمشق میں قید رہے مگر خدا کی قدرت تھی اور آپ کی روحانیت کا اعجاز جس سے عبدالملک خود پشیمان ہوا اور مجبوراً حضرت کو مدینہ واپس ہوجانے دیا۔

اخلاق وکمالات: ۔پیغمبرؐ خدا کی مبارک نسل کی یہ

خصوصیت تھی کہ بارہ فردیں لگاتار ایک ہی طرح کے انسانی کمالات اور بہترین اخلاق واوصاف کی حامل ہوتی رہیں جن میں سے ہر ایک اپنے وقت میں نوع انسانی کے لئے بہترین نمونہ تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چوتھی کڑی سید سجادؑ تھے جو اخلاق و اوصاف میں اپنے بزرگوں کے یادگار تھے اگر ایک طرف صبر و برداشت کا جو ہر وہ تھا جو کربلا کے آئینہ میں نظر آیا تو دوسری طرف حلم وعفو کی صفت آپ کی انتہا درجہ پر تھی آپ نے ان موقعوں پر اپنے خلاف سخت کلامی کرنے والوں سے جس طرح کی گفتگو فرمائی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا حلم اس طرح کا نہ تھا جیسے کوئی کمزور نفس والا ڈر کر یا اپنے کو مجبور سمجھ کر تحمل سے کام لے بلکہ آپ عفو اور در گذر کی فضیلت پر زور دیتے ہوئے اپنے عمل سے اس کی مثال پیش کرتے تھے۔ ایک شخص نے بڑی سخت کلامی کی اور بہت سے غلط الزامات آپ پر آپ کے منہ پر عائد کئے حضرت نے فرمایا جو کچھ تم نے کہا اگر وہ صحیح ہے تو خدا مجھے معاف کرے اور اگر غلط ہے ...... تو خدا تمہیں معاف کردے۔ اس بلند اخلاقی کے مظاہرے کا ایسا اثر پڑا کہ مخالف نے سر جھکا دیا اور کہا حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ میں نے کہا وہ غلط ہی تھا ایسے ہی دوسرے موقع پر ایک شخص نے آپ کی شان میں بہت ہی نازیبا کوئی لفظ استعمال کی حضرت نے اس طرح بے توجہی فرمائی کہ جیسے سنا ہی نہیں۔ اس نے پکار کے کہا ''ایاک اعنی'' یعنی میں آپ کو کہہ رہا ہوں حضرت نے فرمایا ''عنک اعرض'' ہاں میں تم ہی سے اعراض یعنی بے توجہی کر رہا ہوں۔ یہ اشارہ تھا اس حکم قرآن کی طرف کہ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجاَهِلِين۔ یعنی عفو کو اختیار کرو اچھے کاموں کی ہدایت کرو اور جاہلوں سے بے توجہی اختیار کرو۔

ہُشام ابن اسماعیل ایک شخص تھا جس سے حضرت کی نسبت کچھ ناگوار باتیں سرزد ہوئی تھیں یہ خبر بنی امیہ کے (نیک) بادشاہ عمر ابن عبدالعزیز کو پہونچی۔ اس نے حضرت کو لکھا کہ میں اس شخص کو سزا دوں گا آپ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے اس کو کوئی نقصان پہنچے۔

فیاضی اور خدمت خلق کا جذبہ آپ کا ایسا تھا کہ راتوں کو غلہ اور روٹیاں اپنی پشت پر رکھ کے غریبوں کے گھروں پر لے جاتے تھے اور تقسیم کرتے تھے بہت سے لوگوں کو خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ وہ کہاں سے پاتے ہیں اور کون ان تک پہنچاتا ہے جب حضرت کی وفات ہوئی اس وقت انہیں پتہ چلا کہ یہ امام زین العابدینؑ تھے۔ عمل کی ان خوبیوں کے ساتھ علمی کمال بھی آپ کا ایسا تھا جو دشمنوں کو بھی سر جھکانے پر مجبور کرتا تھا اور ان کو اقرار تھا کہ آپ کے زمانے میں فقہ اور علم دین کا کوئی عالم آپ سے بڑھ کر نہیں۔ ان تمام ذاتی بلندیوں کے ساتھ آپ دنیا کو یہ سبق بھی دیتے تھے کہ بلند خاندان سے ہونے پر ناز نہیں کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ آپ جب کبھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو اپنا نام ونسب لوگوں کو نہ بتلاتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں اپنے نسب کا سلسلہ تو پیغمبرؐ خدا تک ملاؤں اور ان کے صفات مجھ میں نہ پائے جائیں۔

عبادت:۔ آپ کی مخصوص صفت جس سے آپ زین العابدینؑ اور سید الساجدین مشہور ہوئے وہ عبادت ہے باوجودیکہ آپ کربلا کے ایسے بڑے حادثے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، باپ بھائیوں اور عزیزوں کے دردناک قتل کے مناظر برابر آپ کی آنکھوں میں پھرا کرتے تھے اس حالت میں کسی دوسرے خیال کا ذہن پر غالب آنا عام انسانی فطرت کے لحاظ سے بہت مشکل ہے۔ مگر باپ کے اس غم وصدمہ پر جس نے عمر بھر سید سجادؑ کو رلایا اگر کوئی چیز غالب آئی تو وہ خوف خدا اور عبادت میں محویت تھی۔ یہاں تک کہ جس وقت وضو کے لئے پانی سامنے آتا تھا اور نماز کا ارادہ فرماتے تھے اس وقت آپ کے تصورات کی دنیا بدل جاتی تھی چہرہ کا رنگ متغیر ہوجاتا تھا اور جسم میں لرزہ پڑ جاتا تھا کوئی سبب پوچھتا تھا تو فرماتے تھے کہ خیال تو کرو مجھے کس حقیقی سلطان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔

ایک مرتبہ حج کے موقع پر ایسا ہوا کہ احرام باندھتے وقت لبیک (حاضر ہوں) کہنا چاہا تو رنگ چہرہ کا اڑ گیا اور تمام جسم میں لرزہ پڑ گیا اور کسی طرح لبیک نہ کہا گیا لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا میں سوچتا ہوں کہ شاید میں لبیک کہوں اور اس بارگارہ سے یہ آواز آئے کہ لالبیک (حاضری کی اجازت نہیں) یہ فرما کر اتنا روئے کہ غش آ گیا اس دور میں کہ جب دنیا کے دل پر دنیوی بادشاہوں کی عظمت کا اثر تھا اور خالق کو بالکل بھول چکی تھی، سید سجادؑ ہی تھے جن کی زندگی خالق کی عظمت کا احساس پیدا کرتی تھی۔

صحیفۂ سجادیہ یا زبور آل محمدؑ:۔ حضرت امام زین العابدینؑ کو زمانہ اس کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اپنے دادا علی ابن ابی طالبؑ کی طرح خطبوں (تقریروں) کے ذریعہ سے دنیا کو علوم ومعارف اور الٰہیات وغیرہ کی تعلیم دیں نہ ان کے لئے اس کا موقع تھا کہ وہ اپنے بیٹے امام محمد باقرؑ یا اپنے پوتے امام جعفر صادقؑ کی طرح شاگردوں کے مجمع میں علمی و دینی مسائل حل کریں اور دنیا کو اچھی باتوں کی تعلیم دیں یہ سب باتیں وہ تھیں جو اس وقت کی فضا کے لحاظ سے غیر ممکن تھیں۔

اس لئے امام زین العابدینؑ نے ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا جو بالکل پر امن تھا اور جسے روکنے کا دنیا کی کسی طاقت کو کوئی بہانہ نہیں مل سکتا تھا وہ یہ تھا کہ تمام دنیا والوں سے منہ موڑ کر وہ اپنے خالق سے مناجات کرتے اور دعائیں پڑھتے تھے مگر یہ مناجاتیں اور دعائیں کیا تھیں؟ الٰہیات کا خزانہ، معارف وحقائق کا گنجینہ، خالق اور مخلوق کے باہمی تعلق کا صحیح آئینہ، دعاؤں کا مجموعہ صحیفۂ کاملہ، صحیفۂ سجادیہ اور زبور آل محمدؑ کے ناموں سے اس وقت تک موجود ہے۔

اس میں انسان کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو اسے بڑے بڑے خطبوں اور تقریروں میں شائد اتنی پر تاثیر انداز سے نہ ملتا۔

وفات:۔ افسوس ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ کی یہ خاموش زندگی بھی ظالم حکومت کو ناگوار ہوئی اور ولید بن عبد الملک اموی بادشاہ شام نے آپ کو زہر دلوا دیا اور ۲۵ محرم ۹۵ھ شہر مدینہ میں وفات ہوئی۔ امام محمد باقرؑ نے اپنے مقدس باپ کی تجہیز وتکفین کا انتظام کیا اور جنت البقیع میں حضرت امام حسنؑ کی پہلو میں دفن کیا۔

اسلامی اتحاد کی اساس

آیۃ اللہ شہید باقر الحکیم علیہ الرحمہ
ترجمہ: مولانا سید شجاعت حسین گوپالپوری

دور حاضر میں مختلف اسلامی فرقوں کا ایک دوسرے سے قریب لایا جانا بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس قربت کا تعلق اس اہم مسئلہ سے ہے جسے اسلامی وحدت کہتے ہیں، اسلامی فرقوں کا ایک دوسرے سے قریب ہونا اسلامی وحدت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہم یہاں اختصار کے ساتھ اسلامی فرقوں کی باہمی قربت کے سلسلے میں چند نکات بیان کرتے ہیں۔

پہلا نکتہ

ہمارا اساسی مقصد اسلام کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب لانا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اسلامی اتحاد مسلمانوں کی شدید ترین خواہش اور عظیم ترین آرزو ہے جس کی طرف مسلمان اپنے شوق و رغبت سے مائل ہوتے ہیں اسی کی طرف قرآن اور ائمہ اطہار نے بھی دعوت دی ہے اور اس کے لئے معتدل راہ کی نشاندہی کی ہے خصوصاً آج جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمن اختلافی مسائل کو سامنے لاکر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور ان میں تفرقہ پیدا کرنے کی سعی پیہم میں مصروف ہے۔

اس اسلامی فکر کو محض خوبصورت نعروں سے نکال کر اتحاد کے شعار کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کچھ اصول و پروگرام پر مبنی عملی اقدام کی ضرورت ہے جس کے لئے چند بنیادی باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے تاکہ اس کی روشنی میں اسلامی اتحاد وجود میں آسکے۔

(ا) اسلامی اتحاد کی بنیاد پر مذہبی اختلافات کو حل کرنا، البتہ اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ سارے فرقے ایک ہو جائیں کیوں کہ نہ تو ایسا ہوسکتا ہے اور نہ ہی یہ بات منطقی ہے، بلکہ اسلامی فرقوں کی آراء کا احترام کرنا اور ان کے عبادی اور اجتماعی امور کا پاس ولحاظ رکھنا ہی اتحاد ہے۔

(ب) انسان کے اساسی حقوق کو تسلیم کرنا مثلاً تمام اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے ہر فرقہ کے سیاسی اور اجتماعی حقوق کا اس طرح لحاظ رکھنا کہ کسی کو یہ حق حاصل نہ ہو کہ وہ کسی بھی فرقہ کو ان عمومی حقوق سے محروم کردے جو ملک کے سارے افراد میں مشترک ہوں یا یہ کہ مذہبی نسبت کی بناء پر بعض افراد کو یا جماعت کو ایک دوسرے پر ترجیح دے۔

(ج) کسی ملکی، جماعتی اور مخصوص سیاسی نظریہ سے ہٹ کر حیات انسانی میں دین وشریعت کے محور پر اتحاد فکر و نظر، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب تمام انجمنیں اسلامی نہج پر متفق ہوجائیں۔

(د) حکم اسلامی کے سلسلہ میں اتحاد نظر، اس طور پر کہ کسی کو اسلام کے بنیادی اصولوں سے اختلاف کا حق نہ ہوگا البتہ اس حکم اسلامی کی تشخیص میں اگر اجتہادی اختلاف

ہوتو کوئی حرج نہیں ہے۔

(ر) دشمنوں کے مقابلہ میں اتحاد نظر۔خواہ دشمنی کی بنیاد عقیدہ ہو جیسے ملحدین (اور آزاد خیال افراد) یا سیاسی بنیادوں پر ہو جیسے عالمی کفر واستکبار (صیہونیت وسامراجیت وغیرہ) جو دن رات مسلمانوں کو دھوکہ دینے، ان کی زمینوں اور دولت کو لوٹنے، انہیں قتل کرنے، ڈرانے دھمکانے میں مشغول ہیں۔

(ھ) عالم اسلام کے ان تمام مسائل کو ہم آہنگی اور اشتراک عمل سے حل کرنا جو سارے مسلمانوں کے لئے باعث رنج ہیں جیسے فلسطین، بیت المقدس، کشمیر اور بوسنی ہرزگوین کا مسئلہ نیز اس کے علاوہ مسلمانوں پر بھی دوسرے فرقہ کاظلم وستم وغیرہ۔

کسی طرح کے فرقہ وارانہ تعصب سے ہٹ کر ان باتوں پر عمل کرنا اسلام ومسلمین کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

دوسرا نکتہ

اختلاف سے بچنے کے لئے اس کے اسباب کے ریشوں کو قطع کرنا ضروری ہے اور اختلاف کے اسباب کی تشخیص وتعیین، اس کی بیخ کنی پہلا اور اساسی قدم ہے (یاد رہے) اس کی تشخیص کسی بیماری کی تشخیص سے کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔

ممکنہ اختلاف کے اہم اسباب یہ ہیں:۔

(۱) ہویٰ وہوس، تعصب اور مسائل کے حل کرنے میں اخلاقی اصولوں کی پامالی۔

(۲) دشمنان اسلام کی سعی وکوشش، جو مسلمانوں کے کمزور پہلوؤں کا سہارا لے کر مسلمانوں کو تباہ وبرباد اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے فتنہ پردازی، نیز مردہ ضمیر افراد کی خریداری کے ذریعہ کام نکالتے ہیں۔

(۳) مسلمانوں (کی آپس میں ایک دوسرے) کے اعتقادات اور حالات سے ناواقفیت، ایک دوسرے کے عقائد کو جاننے کے سلسلہ میں شائعات، تہمتوں یا شاذ و نادر اقوال وروایات پر اعتماد کرنا۔

(۴) پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ یا مختلف مذاہب سے منسوب علماء سے مروی روایتوں کے ثبوت میں اختلاف نظر اور اس اختلاف کی ایک وجہ زمانہ صدور روایت اور اس دور کے درمیان کا طویل فاصلہ ہے جو نقل روایت میں اختلاف بیان، خطا اور اشتباہ کا سبب بنا ہے۔

(۵) نص کو سمجھنے اور اس کو دوسری نص سے ملانے میں اختلاف، کیوں کہ قرآن جس کا کلام الٰہی ہونا تواتر سے ثابت ہے لیکن اس میں محکم متشابہ، ناسخ ومنسوخ اور عام و خاص وغیرہ نیز اس میں قرینۂ حالیہ بھی ہے جسے اسباب نزول کہتے ہیں اور یہ قرآن کی تفسیر وتفہیم میں بہت موثر ہوتے ہیں۔یہی حال ان روایتوں کا ہے جو پیغمبرؐ اسلام سے مروی ہیں اس میں □ شک نہیں کہ ان اسباب کے حل کے مختلف طریقے ہیں کہ ان کا جاننا اور ان کے حل کے لئے مناسب اسلوب کا وضع کرنا ضروری ہے۔

پہلے اور دوسرے کے حل کا اہم ذریعہ اعلیٰ اخلاقی تربیت، تقویٰ، خدا سے تمسک، مصالح اسلامیہ کی فکر وطمع، دشمنوں کی شناخت، تخریب کاروں سے ہوشیاری اور آستین کے سانپوں وضمیر فروشوں کی پہچان ہے۔

تیسرے سبب کا حل اسلامی فرقوں کے معتبر مصادر سے ان کے مبانی اور عقائد کی چھان بین کرنا اور اس سلسلہ میں مشہور و معروف مذاہب کے ائمہ کے اقوال پر اعتماد کرتے ہوئے باہمی تفاہم، محبت اور حسن ظن سے کام لینا ہے۔

نصوص شرعی کے اثبات کے لئے قرآن اور صحیح حدیث سے حاصل شدہ قواعد و اصول وضوابط وضع کرنا، صاحبان علم کی روش کا اتباع، نتیجہ آور بحثیں، منطقی اور شرعی دلیلیں چوتھے اور پانچویں سبب کے حل کا سب سے بہترین ذریعہ ہیں۔

تیسرا نکتہ

مسلمانوں کے ان بنیادی مسائل سے متعلق ہے جن کا پاس ولحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے تا کہ اس طرح ایسی زمین ہموار ہوجائے جس پر اتحاد اسلامی کی بنیاد رکھی جا سکے کیونکہ مذہب کی قربت کے لئے معنوی، سیاسی، اجتماعی، اخلاقی اور ثقافتی ہم آہنگی ضروری ہے چونکہ یہ اہم اور مقدس ہدف ایسے ہی ماحول میں پروان چڑھتا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم نے بھی اس طرح زمین ہموار کی ہے چنانچہ اس نے ادیان سماوی کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے لئے توحید، وحی، نبوت، عدل، انبیائے ماسبق کی تمجید وتکریم، ان کے قصص، اخلاق اور معنوی، اجتماعی اور ثقافتی جیسے اساسی مسائل پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

ہم اس طرح کی زمین سازی کے لئے بعض خصوصیات اور علامات کی نشان دہی کئے دیتے ہیں:

ا۔ وہ مسائل جو مسلمانوں کے درمیان مشترک اور مسلم ہیں مثلاً قرآن کریم، نبیؐ اکرم اور اہلبیتؑ کو زندگی کا محور قرار دینا اس لئے کہ قرآن مسلم السند اور تحریف سے محفوظ ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع بھی کیا جاسکتا ہے اگر چہ مسلمانوں نے اس کے مطالب کو سمجھنے میں اختلاف کیا ہے! لیکن اس کا وجود ہی مسلمانوں کے اتحاد کا اہم ذریعہ ہے۔

اور اسی طرح پیغمبرؐ کی وہ حدیثیں جو اصحاب رسولؐ سے مروی ہیں ان میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں جو مشترک ہیں اور ان کی صحت وتواتر سب کے نزدیک ثابت ہے۔ اور جن حدیثوں کی صحت یا مفہوم میں اختلاف ہے اسے متبادل آراء کے احترام کے ساتھ علمی بحثوں کے ذریعہ حل کیا جاسکتا ہے۔

بعینہ یہی بات اہلبیتؑ کی ہے کیوں کہ ان کا احترام بھی سارے مسلمان تسلیم کرتے ہیں اور ان کی باتوں کو قبول کرتے ہیں جبکہ قرآن اور متواتر حدیثوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اہل بیتؑ کی محبت اور ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے (آیت تطہیر، آیت مودت، حدیث ثقلین وغیرہ) اگر اختلاف ہے تو محبت اور مرجعیت کے حدود میں یا پھر ان کی شان میں جو آیات و روایات اور مواقف ثابت ہیں ان میں اختلاف ہے۔

لہٰذا اثبات قرآن میں شک کرنا یا احادیث نبوی کو ضعیف قرار دینا یا اہلبیتؑ پر طعن وتشنیع کرنا جیسا کہ بعض علماء نے کیا ہے مزید اختلاف وانتشار اور تفرقہ میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

اس نہج و روش سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کیوں اہلبیتؑ نے ان اصول مشترکہ پر عمل کرنے کی اتنی تاکید کی ہے اور مکتب حدیث کے مقابلہ میں مکتب رائے کورد کیا ہے اس لئے کہ مکتب رائے سنت کی اہمیت کو کم کرنے کا باعث ہے اور مکتب رائے والوں کی دلیل یہ ہے کہ حدیث بہت کم اور محدود ہے۔

۲۔ کسی چیز کے ثابت کرنے میں علم اصول وقواعد کے مشترک مسائل پر زور دینا جیسے راویوں کی وثاقت، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، عام و خاص، استقراء اور یہ کہ قرآن و سنت کہ ان میں سے بعض بعض کی تفسیر کرتے ہیں اور ان کے علاوہ ان میں ان علمی قواعد وروش کے تحت بحث ہو کہ جن کا ذکر کتابوں میں موجود ہے۔

۳۔ ایک دوسرے کے علمی اور مذہبی آراء کا احترام کرنا اور جنگ و جدال، تحقیر و تذلیل اور افتراق سے ہٹ کر علمی اور نتیجہ آور بحثیں کرنا اور ان علاقات کا خیال رکھنا جوائمۂ مذاہب کے درمیان تھے۔

۴۔ آپس میں کسی کے مذہبی مقدسات اور دینی شعائر کی دشمنی سے دل کو پاک رکھنا اور کسی بھی مذہب کے ائمہ یا ان کے پیرو علماء پر سب وشتم، لعن وطعن اور ان کو کافر وفاسق گرداننے کی روش سے اپنے کو محفوظ رکھنا تمام تسلیم شدہ مذاہب کے وجود کا اعتراف کرنا خواہ وہ مذہب رسمی ہو یا ثقافتی، اتحاد اسلامی کے اخلاقی اور ثقافتی پروگرام کی نشر و اشاعت کرنا اور زندگی ساز مسائل میں مسلمانوں کا ایک دوسرے کی مدد کر کے وحدت اسلامی کے مفہوم کو عملی طور پر پیش کرنا کیونکہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی آواز کو سنے کہ وہ مسلمانوں کو مدد کے لئے پکار رہا ہے اور وہ شخص اس کی آواز پر لبیک نہ کہے تو گویا وہ مسلمان نہیں ہے۔

چوتھا نکتہ

اسلامی فرقوں کے درمیان قربت وہم آہنگی کے سلسلہ میں بعض مفید اسباب کی طرف اشارہ کرتا ہوں تاکہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دلی خواہش اور پاکیزہ ہدف (مذہبی ہم آہنگی) عملی صورت اختیار کرلے کیونکہ اس کا عملی ہونا بعض اسباب اور اسلوب کا محتاج ہے جس کو بطور نمونہ یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم اہل بیتؑ اطہار کی نظر میں

شیعوں پر ایک بڑا الزام یہ ہے کہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں جبکہ بزرگ علمائے شیعہ اس کو ہر طرح کی تحریف سے محفوظ جانتے ہیں، بلاشبہ قرآن کے سلسلے میں اہلبیتؑ کے نظریہ کی توضیح اور ان کا عملی موقف اس حقیقت کو واضح کردے گا اور مندرجہ ذیل باتوں سے یہ الزام بھی دفع ہوجائے گا۔

(۱) قرآن کریم کو سب سے پہلے حضرت علیؑ نے جمع کیا۔

(۲) قرآن کی طرف تاکید جو قرآن کی تلاوت، اس میں غور وفکر اور اس کو حفظ کرنے والوں کے مراتب و درجات اور فضائل کو بیان فرمایا۔

(۳) قرآن کا تحریف سے محفوظ ہونا۔

(۴) احکام شرعی، اسلامی عقائد اور تاریخی واقعات وغیرہ پر استدلال کے سلسلہ میں نص قرآن اور اس کے ظہور کو حجت بتانا حتی اپنی باتوں کے صحیح ہونے کا معیار قرآن کو قرار دینا

فَمَا وَافَقَ الْقُرْآنَ فَخُذُوْهُ وَمَا خَالَفَهُ فَاضْرِبُوْا بِهِ عَرْضَ الْحَائِطِ یعنی (ہماری جو حدیث) قرآن کے موافق ہو اسے لےلو اور جو قرآن کے مخالف ہو اسے دیوار پر دے مارو۔

(۵) آپ کا قرآن کی تفسیر کے لئے اہتمام کرنا خاص طور سے جو اس کے زندہ مصداق ہیں اور اس کو ہر عصر کے مسلمانوں کی زندگی پر منطبق کرنا۔

صحابہ کے متعلق نظریہ اور موقف کی توضیح

سارے مسلمانوں کی نظر میں صحابہ محترم ہیں، لیکن چند شبہات ان کے یا انکے بعض موقف کے متعلق ابھرتے ہیں لہٰذا ان کے متعلق نظریات کی توضیح ضروری ہے۔

(۱) صحابہ زمانۂ رسولؐ میں اسلام کے دفاع اور اس کی بنیادوں کے مستحکم کرنے میں صحابہ کا کردار اور راہ اسلام میں ان کی عظیم قربانیاں۔

(۲) مومن اور مخلص صحابہ کہ جن کی تعداد زیادہ ہے ان کے درمیان اور ان صحابہ کہ جن کو قرآن نے منافق کہا ہے ''اور جنھوں نے دور رسولؐ اور اسکے بعد (ظاہراً) اسلام قبول کیا'' کے درمیان فرق قائم کرنا۔

(۳) حضرت علیؑ کا صحابہ کے ساتھ احترام اور تعاون کا رویہ جو ان کے ساتھ فکری اور سیاسی نظریہ میں اختلاف کے باوجود خصوصاً پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے بعد پایا جاتا تھا۔

(۴) صحابہ کے موقف کے بارے میں فرق قائم کرنا ان کی عصمت سے متعلق اقوال، روایات، اعمال اور فتووں کی حجیت کے درمیان تمیز کرنا۔

صدر اسلام میں اور مذہبی تاسیس کے ابتدائی دور میں ان اسلامی فرقوں کے درمیان مشترک رابطوں کی توضیح ایسی تحقیقی کتابوں کی تالیف کے ذریعہ جو مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہوں:۔

۱۔ رجال شیعہ میں وہ افراد جن سے اہل سنت نے روایت کی ہے چنانچہ سید شرف الدین نے بطور نمونہ سو شیعہ راویوں کا ذکر کیا ہے جن سے اہل سنت نے روایت کی ہے۔

۲۔ اہلسنت کے وہ علمائے رجال کہ جن سے شیعہ علمائے علم رجال نے روایت کی ہے۔

۳۔ شیعہ کتابوں میں اہلبیتؑ کے توسط سے مروی پیغمبرؐ اسلام کی روایتوں کے ساتھ اہلسنت کی کتابوں میں آنحضرتؐ سے مروی روایتوں کا موازنہ کرنا۔

۴۔ جو روایتیں شیعہ فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں ان کو سنی کتابوں میں تلاش کرنا اور پھر ان کا موازنہ کرنا۔

ان بحثوں پر تحقیق کے بعد اسلامی فرقوں کے درمیان محکم رشتہ استوار ہو سکتا ہے، مذاہب اسلامی کے درمیان رائج فقہی مباحث خصوصاً عبادات، معاملات اور شخصی مسائل شرعیہ کا تطبیقی مطالعہ اور اس سلسلہ میں کتابوں اور رسالوں کی طباعت۔ یہ کام مذہب شیعہ و اہلسنت اور دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان فاصلہ کم کرنے میں مؤثر ثابت ہوگا۔

(۵) فقہی اور عقائدی بحثوں کو سیاسی اور فکری زاویوں سے یا فقہی موقف کو عقائدی موقف سے جدا رکھنا۔ ان سب چیزوں کا الگ الگ رکھنا مذہبی ہم آہنگی اور اسلامی اتحاد میں مؤثر ثابت ہوگا۔

گذشتہ سے پیوستہ

جوانوں پر مغرب کی طرف رجحان کا اثر

عماد العلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد نقوی دام ظلہ

نسلوں کے درمیان فاصلہ اور تضاد کا ظہور :۔

نسلوں کے درمیان فاصلہ اور تضاد 'GE' مغرب زدہ سماج کی ایک نمایاں ترین تاثیر تھی جونئی پود اپنے معاشرے کی اصل تہذیب سے ناطہ توڑ کر دوسری ثقافت کی عادی ہوگئی تھی فطری طور پر وہ اپنی اگلی نسل کے افکار وخیالات، رجحانات و میلانات اور ان کے طور طریقے سے بیگانہ ہوگئی۔ بڑے بوڑھوں اور نوجوانوں کے درمیان پیدا ہونے والا یہ فاصلہ اس امر کا سبب ثابت ہوا کہ یہ دونوں نسلیں ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کا پاس ولحاظ نہ رکھ سکیں چنانچہ بہت سے مواقع میں دیکھا گیا ہے مغرب زدہ نوجوانوں کا اقدار نظام اقدار، روایتی نظام کا مخالف ہے۔ لڑکے لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط مغرب میں ایک قدر اور حسن کی حیثیت رکھتی ہے۔ مشرق میں عمر رسیدگی سے مزید احترام اور عزت حاصل ہوتی ہے جبکہ یورپ میں بڑھاپا ایک عیب شمار ہوتا ہے۔ مشرق میں خاص طور سے اس بات کی تربیت نوجوانوں کو دی جاتی ہے کہ وہ اپنے بڑوں کا ادب و احترام کریں، لیکن یورپ میں ان کی تربیت کا نصب العین انہیں آزاد اور مستقل بنانا ہے۔ مشرق میں انسانوں کی کوششوں کا آخری منشاء مالی اور مادی مقامات کا حصول نہیں رہا ہے، صدر یورپ کی اخلاقی نظام میں بس یہی چیز نصب العین رہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک عامل نے اس نسل کے بیچ جسے مشرقی تعلیم اور تربیت ملی ہوئی تھی اور اس نسل کے بیچ جس کو مغربی تربیت ملی ہوئی تھی فاصلہ پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

ان دونسلوں کے درمیان فاصلے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوجوان طبقہ بڑے بوڑھوں کو ادب و احترام کے بجائے حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ادھر ماں باپ بھی ان نوجوانوں کو سرکش اور ملعون سمجھ کر یا تو ان پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں، لعنت ملامت کرتے اور اپنے پاس سے بھگا دیتے یا کبھی مغرب کی طرف رجحان کے سبب جوانوں کا طبقہ بڑے بوڑھوں کی زبان و بیان سے اور بڑے بوڑھے جوانوں کی زبان و بیان سے بیگانہ ہوگئے ان دونوں کے بیچ ایک مضبوط بند بندھ گیا جس کے دونوں طرف دو مشرقی نسل کے افراد نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے اجنبی ہو گئے اور ایک دوسرے کی امیدوں، خواہشوں اور رجحانوں سے نفرت بھی کرتے اور بدظن ہو گئے۔

قدیم وجدید نسلوں کے درمیان ان کو باہم ملانے والی کڑی کے ٹوٹ جانے اور ان کے روابط میں انتشار و پراگندگی پیدا ہوجانے کی وجہ سے جوانوں میں جرائم اور لا

ابالی پن کی طرف رجحان میں قطعی طور پر اضافہ ہوا ہے کیونکہ نسلوں کے درمیان موجود فاصلے نے نئی نسل کی فکروں اور حیرانی وسراسیمگی کو بڑھاوادیا ہے۔

مغرب کی طرف رجحان کا عورتوں کے طبقے پر اثر

ابتداء اسلام میں جبکہ اسلامی نظریہ معاشرے پر چھایا ہوا تھا عورتیں معاشرے کی سماجی زندگی بلکہ سیاسی واقعات سے متعلق امور میں بھی اہم رول ادا کرتی تھیں، ابتداء اسلام میں عورتوں کو معاشرہ کے اندر مکمل انسانی تشخص حاصل تھا اور اسلام نے تاریخ میں پہلی دفعہ عورتوں کو اقتصادی آزادی سے نوازا تھا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ باصطلاح خود مہذب یورپ اور آزاد امریکہ میں بھی ادھر آخری صدیوں تک عورتوں کو حق مالکیت تک حاصل نہ تھا اور عورتوں کے اسباب وسامان اور اس کی جائداد باپ یا شوہر یا اس کے بچے کی ملکیت سمجھی جاتی تھی جبکہ اسلام عورتوں کو میراث میں ان کے حصے کا مالک اسی طرح ان کی مہر کا مالک سمجھتا ہے حتی کہ بہت سے اسلامی علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ شوہر کے دوش بدوش عورتیں بھی اقتصادی سرگرمیوں میں مشغول رہی ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں عورتیں اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں سرگرمی سے حصہ لیتی تھیں، باہر آتی تھیں، کام بھی کرتی تھیں، میدان کارزار میں بھی داخل ہوتی تھیں، لیکن ضرورت کی حد تک۔ اس نظام میں عورتوں کی سب سے عمدہ رسالت اور فرض سالم اور صالح نسلوں کی پرورش و پرداخت اور 'انسانوں' کی تعمیر تھی 'کل پرزے' بنانا نہ تھا۔ دوسری طرف عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط اور میل جول اسلامی معاشرے میں کبھی جائز نہیں رہا۔

جمود و پستی کے دور میں جبکہ اسلامی معاشرے اصل اسلامی تعلیمات سے دور جا پڑے تھے، ایک ایسا نظام زندگی بروئے کار آیا جو موجودہ مغرب کی طرف مائل نظام زندگی کی طرح فاسد اور مختلف آفتوں کا سرچشمہ تھا۔ جس طرح فرنگی تآبی نے عورتوں کو ایک کھلونے کی حیثیت دے دی اسی طرح مذکورہ بالا نظام نے بھی (مختلف لحاظ سے) عورتوں کو ایک معمولی چیز کا رتبہ دے رکھا تھا لیکن اس نظام کا اسلام سے کوئی ربط اور تعلق نہ تھا کیونکہ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق نیز عہد رسالت کے اسلامی معاشرے میں عورتوں کو انسانی تشخص اور تمام حقوق و رعایتیں مکمل طور پر حاصل تھیں جنسی روابط کے معاملے میں بھی اسلام نے زیادہ سختی کا رویہ نہیں اختیار کیا۔

پڑوسی قوموں کی تہذیب وتمدن سے مسلمانوں کا حقیقی رابطہ قائم ہونے کے بعد درحقیقت مسلمانوں میں قرون وسطیٰ کے دور انحطاط و پستی کا سلسلہ شروع ہوا اور عورتوں نے اپنا سماجی مقام کھو دیا اس کے بعد اسلامی معاشرے کی تاریخ مجموعی طور پر سماجی لحاظ سے بلاشک و تردید مردوں نے ہی بنائی، مغربی ثقافت کے نمونوں کے رواج کے بعد عورتیں اپنے گھروں کی چاردیواری سے باہر نکل آئیں لیکن نہ صرف یہ کہ وہ کارآمد اور تولیدی یا تعمیری سرگرمیوں کے میدان میں داخل نہ ہوئیں بلکہ کسی افسر کے

دفتر یا ڈاکٹر کے مطب میں ایک آرائشی چیز کا رول ادا کرتی رہیں یا سرمایہ داروں کی فروخت کے لئے ماڈل گرل کی شکل میں جنسی کشش کے راستے گاہکوں کی توجہ جذب کرنے کا ذریعہ بنیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کی رجحان کے باعث عورت کی حیثیت ایک کھلونے کی ہو کر رہ گئی ہے

۔

عورتوں کے معاشرے پر مغرب کی طرف رجحان کا اثر

مغرب کی ثقافتی نمونوں کی آمد کے بعد سماجیاتی نقطۂ نظر سے عورتوں کے معاشرے میں رونما انقلابات درج ذیل ہیں:

(۱) معاشرتی سطح پر (سطحی اور سوقیانہ شکل میں) تحرک۔

(۲) نئی تعلیم کی طرف رجحان اور اس کے پیچھے مختلف دفاتر میں ملازمت اور مالی استقلال و آزادی کا حصول

۔

(۳) لڑکے لڑکیوں کے آزادانہ اختلاط کا رواج اور جنسی بے راہ روی کی اشاعت۔

(۴) بے پردگی کی طرف رجحان۔

(۵) طلاق کی تعداد میں اضافہ، تن فروشی اور اخلاقی بگاڑ کا رواج۔

(۶) عورتوں کی اپنی تاریخی اور ثقافتی روایتوں سے جدائی۔

(۷) عورتوں کی امور خانہ داری اور بچہ زائی سے بے رغبتی۔

اب ہم ان نتائج کے گہرے اور دور رس آثار اور اس کے حجم و دائرے کی کسی قدر زیادہ وضاحت کرتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا سماجی پیشرفت زیادہ تر یونیورسٹیوں میں تعلیم، لڑکوں کے ساتھ اختلاط، محفلوں کی تشکیل میں ان کی سرگرم شرکت اور مختلف اداروں، دفتروں اور کمپنیوں میں ملازمت کی طرف ان میلانات کی شکل میں ہوئی ہے۔ عورتوں کی ملازمت اور مالی آزادی کا مسئلہ نئی تعلیم کے ماحول کو دھیان میں رکھتے ہوئے انواع و اقسام کی تاثیر کا حامل تھا لیکن اس کے منفی نتائج، مثبت نتائج پر غالب ہیں۔

اس کا مثبت اثر تو یہ تھا کہ گھر سے باہر دفاتر وغیرہ میں عورتوں کی ملازمت خاندان کے بجٹ میں مددگار ثابت ہوتی اور خاندان کے افراد کی مالی آزادی اور استقلال ان کے روابط کو جذباتی مساوات اور برابری کی اساس پر قائم رکھتی، طاقت کے بل بوتے پر نہیں، اس کے علاوہ عورتوں کی خوداعتمادی انہیں سماج کے اندر اہم ترین رول ادا کرنے پر بھی آمادہ کرتی تھی لیکن ہمیں معلوم ہے کہ درج بالا خصوصیتیں ان عورتوں میں رونما ہوتی ہیں جن کے اندر مالی آزادی کا مفہوم ان کی فکری، معنوی اور انسانی ارتقاء کے دوس بدوش پیدا ہوا ہو لیکن فرنگی مآبی معکوس تاثیر میں مزید اضافے کا سبب ہوگی۔

مالی آزادی کا ایک منفی نتیجہ یہ تھا کہ عورتیں اپنے اصلی رول ـــــ بچوں کی پرورش اور آئندہ نسل کی تعمیر ـــــ کو فراموش کر بیٹھیں اور اپنے بچوں کو نرسری اور بورڈنگ وغیرہ کے حوالے کرنے لگیں، اس طرح یہ فطری امر ہے کہ

بچے کی زندگی میں ''ماں'' کی جگہ زیادہ سے زیادہ خالی رہے ۔ معاشرے میں جو چیز بہت کمیاب ہوگئی وہ ''ماں'' تھی اور جو چیز فراواں ہوگئی وہ ''لیڈی کلرک'' اور ''لیڈی سکریٹری'' وغیرہ تھی ۔ اس خلاء کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں انواع واقسام کی مشکلات اور مسائل پیدا ہوگئی جو ایک لازم بات تھی اس وقت نوجوان نسل میں جو افراتفری، اضطراب و بے چینی تناؤ اور انحراف و سرکشی اور دیگر خصوصیتیں پائی جاتی ہیں بڑی حد تک اسی مادرانہ جذبے کی کمی، ماں باپ کے روابط کی نوعیت اور خاندان کے ماحول کی پیداوار ہیں۔

ملازم اور مزدور عورتوں کی قابل لحاظ تعداد اب حاملہ ہونے اور دودھ پلانے تک کی زحمتوں سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔ اس طرح عورتیں ''انسان سازی'' کے عمدہ رول کو دھیرے دھیرے ''آلات سازی'' کے فرعی رول میں گم کرتی جارہی ہیں ۔ ملازم عورت روحانی، جذباتی اور نفسیاتی لحاظ سے بچہ دار بننے سے ڈرتی اور اپنی درخشاں مادرانہ فرض کو فراموش کرتی جارہی ہے حاملہ ہوجانے کے اندیشہ سے اپنے شوہر سے جنسی رابطہ قائم کرنے میں بھی خوف سائے کی طرح اس کا پیچھا کرتا ہے ۔ کہا جاتا ہے یہ روحانی کیفیت جسمانی لحاظ سے بھی عورتوں کی زندگی میں مؤثر ثابت ہوئی ہے ملازم عورتیں دودھ پلانے میں کمزوری اور دیگر عضوی نارسائیوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں ۔ ماں کی آغوش بچوں کی بہترین پرورش گاہ ہے اور بچوں کی تربیت کو بورڈنگ ونرسری وغیرہ کے حوالے نہ کرنا چاہئے ۔ ان باتوں پر دھیان نہ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بیمار، سرکش اور ناقص نسل سوسائٹی کے حوالے ہونے لگی۔

دوسری بات یہ کہ مغرب کی طرف مائل عورتوں میں مالی آزادی کا تصور چونکہ اعتقادی مبانی میں عمیق فکری ارتقاء کے ساتھ ساتھ نہیں رونما ہوا اس لئے عورتوں کو بسا اوقات عنق (ایک سرکش چڑچڑی مخلوق) کی شکل دے دی جو اپنے شوہر کے ساتھ گرم جذباتی تعلق قائم کرنے کو تیار نہیں ہوتی اور نوبت باینجا رسید کہ عورتیں جنسی روابط میں بھی آزادی کی خواہاں ہوگئی ہیں ۔ اسلامی معاشرے میں طلاق وجدائی کی تعداد میں اضافے کا ایک سبب شاید یہ بھی ہے ۔ فرنگی مآب ملکوں جیسے ترکی یا ایرانی معاشرے میں مغرب کی طرف مائل شہریوں کے اندر ۔ شاہ معدوم کے زمانے میں ۔ چار میں سے ایک شادی کو طلاق کی نوبت ضرور آجاتی ۔ یہ آنے والی نسل اور بچے ہوتے تھے جو اس بیچ میں قربانی کی بھینٹ چڑھ جاتے تھے کیونکہ محدود نیوئی خاندان یا جزوی خاندان کے نظام میں (جو عورت، شوہر اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے) طلاق کی وجہ سے پورا خاندان تباہ و برباد ہوجاتا اور انتشار وآشفتگی کا شکار ہوجاتا ہے۔

سماجیاتی نقطۂ نظر سے طلاق وجدائی کی تعداد اور خاندانی منشن میں اضافہ کے اندر مغرب کی طرف میلان کا اثر بھی شک وشبہہ سے بالا ہے کیونکہ اعداد وشمار کے مطابق طلاق کی تعداد شہروں خصوصاً شمالی حصہ میں (جہاں شرفاء اور امراء رہتے ہیں اور مغرب کی طرف مائل طبقے کے

رہائشی مکانات ہیں) دیہاتوں یا شہر کے غریب و متوسط حصے کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے باوجودیکہ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ عورتوں کی مالی آزادی کا ایک عمدہ اثر ان کے اندر خود اعتمادی کی شکل میں رونما ہوگا۔ یہ امید کسی طرح بر نہ آئی کیونکہ ایسی حالت میں اگر چہ ممکن ہے عورت اپنے شوہر کے مقابلے میں خود اعتماد ہو لیکن انتہا پسندی مغرب زدگی سے پیدا ہونے والے اثرات اور مالی آزادی اور فکری ارتقاء کے ہم رفتار نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مطمح نظر صرف مردوں کا دل جیتنا رہ گیا ہے۔ اس لحاظ سے وہ اب لاتعداد مردوں کے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار ہے۔ حقیقت میں کہا جا سکتا ہے:

ایک آدمی کے مقابلے میں وہ خود اعتمادی تو پیدا کر لی لیکن اس کی جگہ سینکڑوں دوسرے مردوں کے مقابلے میں وہ خود اعتمادی کے فقدان کا احساس کرتی ہے جس کا مطلب ہے کہ کام بجائے سنورنے کے اور بگڑ گیا۔ اللہ یہ سرنوشت صرف مقلد مغرب زدہ عورتوں کی ہے جن عورتوں کی مالی آزادی ان کے فکری، معنوی اور اعتقادی ارتقاء سے ہم آہنگ و ہمدوش ہوئی ہے۔

مالی آزادی کا۔ ایک مغربی تحفے کی حیثیت سے۔ مشرقی خاندانوں میں نمودار ہوا۔

ڈورکیم (Dorkhiem) نے یہ ثابت کیا ہے کہ مغرب میں عورت کی آزادی خاندان کے افراد کی پیوستگی اور ہم بستگی کا ایک اہم سبب بنی ہے کیونکہ عورت کی ملازمت اسے امید اور خود اعتمادی سے بہرہ مند کرتی ہے اس کے لئے یہ امکان فراہم کرتی ہے کہ اقتصادی آزادی کے بوتے پر سماج کے لئے ایک کارآمد فرد ثابت ہو گھر اور خاندان کے نظم و نسق میں شوہر کے بوجھ کو ہلکا کر سکتی ہے۔

جب کوئی چیز فطری طور پر یا تشخیص کے لحاظ سے وجود میں آتی ہے تو اس کا سبب ممکن ہے اچھا اثر ہو۔ لیکن اگر وہی چیز تقلیدی، بناوٹی طور پر سماج میں پیدا ہوتی ہے تو اس کا کچھ اور ہی اثر ہوگا۔

اسلامی معاشرے میں مغربی ثقافت کے نمونوں میں آج سے پہلے ایسا نہ تھا کہ عورت کا کوئی اقتصادی رول نہ رہا ہو بلکہ بہت سے اسلامی ملکوں میں عورتیں اقتصادی سرگرمیوں میں شوہر کے دوش بدوش مصروف رہی ہیں اور ابھی تک مشرق کے روایتی طبقوں ،حصوں، دیہی طبقوں میں کسان اپنے کھیتوں میں کام کرنے اور عورتیں عموماً امور خانہ داری سے فراغت کے بعد چھوٹی موٹی دستکاریوں میں مشغول ہو جاتی ہیں تاکہ اس قسم کی پیداوار کو فروخت کر کے اپنی مالی حیثیت کے اضافے میں کچھ مدد کر سکیں ۔ اسی کے ساتھ ساتھ اقتصادی سرگرمی عورت کو اپنے اولین اور اساسی فرائض کی انجام دہی اور ماں اور بیوی کے رول کی ادائیگی سے باز نہیں رکھتی ہے ، انہیں اپنے بچوں کی پرورش اور خاندان کی جذباتی ضرورتوں کی تکمیل پر دھیان دینے سے غافل نہیں کرتی اور اسے مغرب زدگی کے بھنور میں بھی نہیں ڈالتی ہے۔

جائز اور ناجائز ولایت اور رہبری

حجۃ الاسلام استاد محسن قرائتی مدظلہ
ترجمہ: جناب ڈاکٹر سہیل بخاری صاحب

ناجائز ولایت اور رہبری:۔قرآن میں رہبری کے مسئلے پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اس کے اچھے پہلو پر بھی اور برے پہلو پر بھی۔اچھے پہلو میں رسول اکرمؐ اور اولی الامر کی پیروی کو واجب اور خدا کی پیروی کے ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی سفارش کی گئی ہے کہ خدا، رسولؐ اور اولی الامر کے علاوہ جامع الشرائط فقیہوں کی اطاعت بھی کرنا چاہیے۔اگر کوئی شخص ان کے کسی فتوے اور حکم کو ٹالتا ہے تو گویا امامؑ اور رسول اکرمؐ کے فرمان کو رد کرتا ہے اور خدا کے ساتھ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔(وسائل الشیعہ جلد ۱۸۔ص۹۹)

یہ نا مناسب نہ ہوگا اگر ہم یہاں ان لوگوں کی ایک فہرست مرتب کردیں جنھیں مختلف جماعتوں کا امام اور رہبر نہیں ہونا چاہیے اور لوگوں کی ان کی اطاعت اور پیروی نہیں کرنا چاہیے۔اگر چہ ایک عقلمند انسان جو پابندی اور دباؤ سے آزاد ہو وہ اپنی خداداد فطرت سے ہی سمجھ جائے گا کہ یہ لوگ رہبری کی لیاقت نہیں رکھتے لیکن اس لحاظ سے کہ قرآن خبردار کرنے والی کتاب ہے، اسے انسانوں کو خطرہ سے آگاہ کرنا چاہیے چنانچہ یہ ہیں وہ آیات جنھیں ہم اپنے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔

۱۔ایسے لوگوں کی رہبری ناجائز ہے جو غفلت شعار، عیاش اور انتہا پسند ہیں۔(سورۂ کہف آیت ۲۸)

ہم نے جن لوگوں کے دل کو (ان کے خراب کام کے باعث) اپنی یاد سے غافل کردیا ہے، جو حق کی جگہ پر اپنی ہی ہوسوں اور خواہشوں کے پیرو، حق اور میانہ روی کے راستے سے الگ، حد کو توڑنے والے اور انتہا پسند ہیں ان لوگوں سے دور رہنا چاہیے اور ان کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ایسے لوگوں کی بھی اطاعت مت کرو جو گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے حق کی طرف توجہ نہیں دیتے اور حقیقتوں کو جھٹلاتے ہیں۔(سورۂ قلم آیت ۸)

۳۔ایسے کم ظرفوں کی بھی پیروی مت کرو جو پے در پے قسمیں کھاتے ہیں، ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور معاشرے میں اپنی جھوٹی شان جتاتے ہیں۔(سورۂ قلم آیت ۱۰)

۴۔گناہگار اور ناشکرے کی پیروی بھی نہیں کرنا چاہیے۔(سورۂ دہر آیت ۲۴)

۵۔فضول خرچ لوگوں سے بھی دور رہنا چاہیے۔
(سورۂ شعراء آیت ۱۵۱)

۶۔فسادیوں کے طریقے کی پیروی نہ کرو۔
(سورۂ اعراف آیت ۱۴۲)

۷۔جاہل لوگوں کی خواہشات کی بھی پیروی نہ کرو
(سورۂ جاثیہ آیت ۱۸)

۸۔ایسے لوگوں کی بھی پیروی مت کرو جو پہلے گمراہ رہ چکے ہیں اور اب بھی اپنی خواہشوں اور جبلتوں کے غلام ہیں۔(سورۂ مائدہ آیت ۷۷)

آپ مندرجہ بالا آیات پر دوبارہ غور فرمایئے کہ افراد اور گروہ، گناہ، فضول خرچی، جھگڑالو پن، جہالت، غلط کارکردگی، کفر و گناہ اور کمینہ پن کی وجہ سے کس طرح رہبری کے زمرے سے خارج ہوجاتے ہیں۔ہم ان آیتوں سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ امام اور رہبر کو مندرجہ بالا تمام برائیوں سے دور رہنا چاہیے۔

قرآن کی دوسری آیتوں میں مسلمانوں پر یہودیوں اور عیسائیوں کی حکومت اور اسی طرح دشمنان خدا یا منافقوں کی حکومت، اختیار اور سرپرستی جو دین اور مکتب کو اپنی حکومت قائم رکھنے کا بہانہ بنا لیتے ہیں، ناجائز بتائی گئی ہے۔

(سورۂ مائدہ آیت ۶۲)

اولی الامر کون ہے؟:۔ہم قرآن میں پڑھتے ہیں کہ اے ایمان والو! خدا، رسول اور صاحبان فرمان کی اطاعت کرو۔(سورۂ نساء آیت ۵۹)

کیا ان صاحبان فرمان کا کام جن کا ذکر خدا اور رسولؐ کے ساتھ ساتھ آیا، خدا اور رسولؐ کے احکام کے مطابق نہیں ہونا چاہیے؟

کیا یہ درست ہے کہ ایک ہی جملے میں ہم سے یہ کہا جائے کہ خدا اور رسولؐ کے پیرو بنو اور ان کی مخالفت نہ کرو اور فوراً ہی یہ سفارش کر دی جائے کہ صاحبان فرمان کی پیروی کرو جو روزانہ خدا اور رسولؐ یا قرآن کی سیکڑوں خلاف ورزیاں کرتے ہیں؟ کیا ایک ہی جملے میں یہ تضاد درست ہے؟

بے شک اولی الامر انہیں معصوم اماموں کو ہونا چاہیے جن کی اطاعت خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہوگی اور جن میں کسی قسم کا کوئی علمی یا عملی اختلاف نہیں ہوگا اور جو عصمت کی انتہائی بلندی پر متمکن ہوں گے۔اگر اولی الامر، امام معصومؑ کے علاوہ کوئی اور ہوگا تو حقیقت یہ ہے کہ پھر ایسے صاحبان فرمان کی پیروی کا حکم قطعی اور ہر موقع کے لیے نہیں ہوگا بلکہ والدین کی پیروی کی طرح کسی نہ کسی شرط سے وابستہ ہوگا۔اس کی وضاحت یوں ہے کہ لوگوں سے اپنے اپنے والدین کی اطاعت اور ان پر احسان کرنے کی سفارش کی گئی ہے لیکن ہر جگہ نہیں کیونکہ اگر والدین نے چاہا کہ بیٹے کو توحید کے دائرے سے نکال دیں تو ایسی صورت میں ان کا حکم ماننا ناجائز ہوگا۔وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ط(سورۂ عنکبوت آیت ۸، سورۂ لقمان آیت ۱۵)

غور فرمایئے کہ والدین کی اطاعت ہر موقع کے لیے واجب نہیں ہے بلکہ صرف ان موقعوں کے لیے ہے جہاں وہ اپنی اولاد کو راہ اسلام سے نہ بھٹکائیں لیکن اولی الامر کی اطاعت بے قید و شرط اور ہر موقع کے لیے ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اولی الامر کو قرآن کے نقطۂ نظر سے کسی قید یا شرط کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا بھٹکنا یا کسی کو بھٹکانا عملی طور پر ناممکن ہے۔

اس لیے قرآن میں اولی الامر سے وہ پیشوا مراد ہیں جو تین سو حدیثوں کی رو سے۔جنھیں شیعوں اور سنیوں

نے نقل کیا ہے۔بارہ ہستیاں ہیں۔

ولایت فقیہ: ۔ولایت فقیہ امامت کے سلسلے کا دوام ہے۔اس سے متعلق سیکڑوں حدیثوں کے مطابق جو پیغمبرؐ کے بزرگ صحابہ نے نقل کی ہیں معصوم اماموں کی تعداد بارہ ہے۔یہ تمام بزرگ ہستیاں زہر دیکر یا تلوار سے شہید کی گئیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے زمانے کے طاغوتوں سے بے جگری سے لڑتے تھے۔

ہمارے بارھوں امام حضرت مہدیؑ غائب ہیں اور سیکڑوں معتبر حدیثوں کے مطابق دنیا میں ایک منصفانہ حکومت قائم کرنے کے لیے ظاہر ہوں گے۔

چونکہ لوگ ابھی ان کی رہبری قبول کرنے کے لائق نہیں ہیں اس لیے خدا نے آپ کو مناسب وقت تک کے لیے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔جی ہاں جیسے حکومت نے لوگوں کے لیے گیارہ چراغ روشن کیے اور لوگوں نے انھیں بجھا دیا تو اب حکومت پردے میں ان کی حفاظت کرتی ہے اور بارھواں چراغ اس وقت تک نہیں جلائے گی جب تک کہ ان لوگوں کی پختہ فکری،تمدن اور کلچر اس حد تک ترقی نہیں کر لیتا کہ وہ نور کو سمجھ سکیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ایسے ہی خدا نے بھی گیارہ معصوم امام بھیجے لوگوں نے ان سب بزرگواروں کو اذیتیں پہنچائیں،قیدی بنایا اور تلواروں سے شہید کر ڈالا تو خدا نے بارھویں امام کو مناسب وقت تک کے لیے اپنی حفاظت میں رکھ لیا لیکن دوسری جانب حضرت مہدیؑ کی غیبت کے زمانے میں ہمیں بھی ہمارے حال پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ ہم کو عادل،متقی اور اسلام شناس فقیہوں کے سپرد کر کے اس کے بارے میں سخت تاکیدیں کر دی ہیں۔

اس لیے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے اسلامی نظام کی حفاظت کریں اور تمام امور میں خدا کے اس حکم پر توجہ دیں جو عادل فقیہ کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔ اسلام ایسے مالیاتی،تعزیری،انتظامی اور عدالتی قوانین رکھتا ہے کہ نہ تو انھیں معطل رکھنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ انھیں جاری کرنے کا اختیار جاہل اور خود غرض لوگوں کے سپرد کرتا ہے نہ اس کی اجازت دیتا ہے کہ کسی بھی طرح کا کوئی طبقہ لوگوں پر حکومت کرنے لگے بلکہ اس نے ان قوانین کے جاری کرنے کا کام صرف فقیہوں اور متقی اسلام شناسوں کے سپرد کر دیا ہے تا کہ وہ تمام واقعات وحوادث میں خدائی قانون کے مطابق حکم دیں۔لوگوں پر ان فقہا کی اطاعت اسی طرح واجب ہے جس طرح امام معصومؑ اور رسول اکرمؐ کی اطاعت واجب قرار دی گئی ہے۔

ولایت فقیہ کا کردار: ۔کیا مسلمانوں کو کسی نظام کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیا اسلامی ملک کی حفاظت ہونا چاہیے یا نہیں؟ زمینوں کی چوکسی ہونا چاہیے یا نہیں؟ اسلامی ملک میں قوانین جاری ہونا چاہئیں یا نہیں؟ مظلوم کا حق ظالم سے لینا چاہیے یا نہیں؟ اسلام کی آواز دنیا بھر میں پہنچنا چاہیے یا نہیں؟ ہمارے نبیوں اور اماموں کی کوششیں صرف انہیں کے زمانوں کے لیے تھیں یا سب زمانوں اور سرزمینوں کے لئے تھیں؟

اگر اس کا جواب ہاں میں ہے اور اسلام اپنا سماج،قانون اور نظام رکھتا ہے اور حقوق کی پاسداری اور زمینوں

کی حفاظت ہونا چاہیے تو پھر حکومت بھی اسلامی ہونا چاہیے کیونکہ صحیح اصول کے مطابق مرتب کیے ہوئے اور بالکل درست نظام کے بغیر اور بالخصوص ہمارے زمانے میں جبکہ اسلام کے تمام مخالفوں کے پاس بڑے بڑے اور ٹانکوں ٹانک ٹھیک نظام موجود ہیں تو ہم اپنے مکتب، قانون، ملک، جان، مال اور عزت کا بچاؤ نہیں کر سکتے؟ اگر حکومت ضروری ہے تو حاکم بھی لازمی ہے کیونکہ حاکم کے بغیر حکومت کا قیام اور بقا ناممکن ہے۔ اب جو اسلام کو اپنے قوانین نافذ کرنے کے لیے حکومت بھی چاہیے اور حاکم بھی تو پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ حاکم میں کون کون سی خصوصیات ہونا چاہئیں۔ وہ خدائی حکم کی گہرائی تک پہنچ پاتا ہو یا نہیں، عادل ہو یا نہیں، مشکلات اور مسائل سے واقف ہو یا نہیں۔ اگر یہ ضروری ہے کہ حاکم اسلام شناس ہو، متقی اور پرہیزگار ہو اور سیاست داں بھی ہو تو پھر یہ وہ فقیہ ہوگا جس کی حکومت کو ہم ولایت فقیہ کہتے ہیں۔

جو لوگ ولایتِ فقیہ کے نظریے کو نہیں مانتے انھیں چاہیے کہ وہ مندرجہ ذیل خیالات میں سے کسی ایک کو تسلیم کر لیں:

۱۔ یا وہ یہ کہیں کہ اسلام صرف نماز، روزہ یعنی محض انفرادی عبادات اور اخلاقیات کا نام ہے اور اس میں بڑے بڑے سماجی حقوق، عدالتی، سیاسی اور اقتصادی مسائل شامل نہیں ہیں۔

۲۔ یا وہ یہ کہیں کہ اسلام صرف رسول اکرمؐ کے زمانے کے لیے تھا اور اس کے بعد چھوڑ دیا گیا اور اب اس کے اہم سماجی قوانین صرف کتابوں میں مدفون ہیں۔

۳۔ یا وہ یہ کہیں کہ اسلام کے اہم سماجی قوانین جاہل اور فاسق لوگوں کے ہاتھوں جاری ہوں۔

اگر مندرجہ بالا خیالات میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں ہے تو پھر ہمیں ولایتِ فقیہ کو مان لینا چاہیے جس کا مطلب ہے انسانی مسائل و مشکلات سے واقف اور متقی اسلام شناسوں کے ہاتھوں خدائی احکام کا نفاذ۔ اور ہم یہ نہ سوچیں کہ متقی اسلام شناسوں کی حکومت اور نظارت یعنی ولایتِ فقیہ اس معنی میں قابل انکار نظر آئے گی۔

کیا اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول نہیں ہے کہ قرآن میں سماج کی تمام انفرادی اور اجتماعی ضرورتیں بیان کی گئی ہیں کیا حکومت، حاکم، نظام اور محکمے سماج کی اہم ترین ضروریات میں شامل نہیں ہیں؟

(اصول کافی جلد ا ص ۵۹)

رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا: میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے اپنی موت سے پہلے امت کی تمام ضروریات بیان کر دیں۔

کیا حضرت امام مہدیؑ کی غیبت کے زمانے میں اسلامی معاشرے کو حاکم اور حکومت کی ضرورت نہیں ہے؟

(کتاب بیع آیت اللہ خمینیؒ ص ۴۶۲)

امام رضا علیہ السلام رہبری کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے اپنی گفتگو میں یوں فرماتے ہیں:

کوئی قوم اور امت کسی رہبر کے بغیر نہیں ہے اور سماج کا ڈھانچہ ایک رہبر کے وجود سے وابستہ ہوتا ہے تا کہ

لوگ اس کے حکم پر بیت المال کے جمع خرچ کا کام بھی کریں، خدا کے دشمنوں سے لڑنے کو بھی کھڑے ہوجائیں، معاشرے کی تنظیم بھی کریں اور اسے اختلاف اور نفاق سے بھی بچائیں اور اگر امت کا کوئی ایسا رہبر نہیں ہوگا تو قوم پارہ پارہ ہوجائے گی، خدائی قوانین رسول اکرمؐ کی ہدایات اور فرمان الٰہی طاغوت کے اشارے پر بدل دیے جائیں گے۔ (بحار الانوار جلد ۶ ص ۶۰)

آپ دیکھتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام کے بیان میں رہبری اور حکومت کا مسئلہ زندگی کے اہم ترین مسئلے کے عنوان سے پیش ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ غریبوں کے فائدے کے لیے مالیات پر قبضہ، اس کی منصفانہ تقسیم، دشمنوں سے جنگ اور سماجی اداروں کی تنظیم ایسی باتیں نہیں ہیں جو صرف معصوم اماموں کی موجودگی کے وقت سے ہی تعلق رکھتی ہوں اور امام عصرؑ کی غیبت کے زمانے میں اس امت کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے یعنی مندرجہ بالا مسائل سے عہدہ برا ہونے کے لیے حکومت اور حاکم کی ضرورت نہ ہو۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سماج کے وجود اور اس کے لیے حکومت اور حاکم کی ضرورت کو بھی تسلیم کرتا ہے لیکن مشکل اس بات میں ہے کہ حاکم کے لیے شرائط کیا ہوں، طرز حکومت کیسا ہو اور یہ سب کچھ کیسے ہونا چاہیے؟

عقلی دلیلوں اور اسلام کی بہت سی روایتوں کے مطابق بارِ حکومت کو فقیہ عادل کے کندھوں پر ڈال دینا چاہیے چنانچہ ہم بعض روایتوں کے اقتباسات اس جگہ نقل کرتے ہیں:

۱۔ رسول اکرمؐ فقیہوں کو اپنا خلیفہ سمجھتے تھے

۔اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي قِيلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَنْ خُلَفَاؤُكَ؟ قَالَ اَلْفُقَهَاءُ۔ (وسائل جلد ۱۸ باب صفات قاضی ص ۱۰۱)

۲۔ امام کاظمؑ نے فرمایا: فقہا اسلام کے قلعے ہیں۔ اَلْفُقَهَاءُ حُصُوْنُ الْاِسْلَامِ۔ (کتاب البیع از آیت اللہ خمینیؒ)

۳۔ امام آخر الزماں حضرت مہدی علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے ایک خط کے جواب میں یوں لکھا: تمھیں چاہیے کہ زندگی کی مشکلات اور مصائب کے بارے میں ہمارے راویوں سے رجوع کرو کرو کیونکہ وہ اسی طرح تم پر ہماری حجت ہیں جس طرح ہم اللہ کی حجت ہیں۔ (وسائل جلد ۱۸ باب ۱۱ صفات قاضی ص ۱۰۱)

۴۔ امام صادقؑ سے ان معاملات کے بارے میں سوال کیا گیا جن کے فیصلے کے لیے طاغوتی محکمے اور نظام کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ ان محکموں کی طرف رجوع کرنا اس لیے برا ہے کہ گویا طاغوت سے رجوع کرنا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ان طاغوتی محکموں سے اپنا جائز حق بھی حاصل کر لیتا ہے تو وہ بھی حرام ہوجاتا ہے۔ (شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ طاغوتی محکمے سے رجوع کرنا اس نظام کو مان لینے اور اسے مضبوط بنانے کے مترادف ہے۔) بلکہ ایسے موقعوں پر تمہارا فرض یہ ہے کہ صرف ایسے لوگوں سے اپنی مشکل کا حل دریافت کرو جو ہمارے علوم اور روایات کو بخوبی جانتے اور پہچانتے ہوں کیونکہ میں ان کو تمہارے لیے قاضی اور منصف قرار دیتا ہوں۔ تمہیں جان لینا چاہیے کہ اگر

اس (قاضی یا منصف) نے حکم دیا اور تم نے اسے بے وقعت جانا تو حقیقت میں تم نے خدا کے حکم کو حقیر سمجھا۔ جو کوئی ان فقہا کو رد کرے گا گویا اس نے ہمیں رد کر دیا اور ہمیں رد کر دینا خدا کو رد کر دینا ہے اور یہ فعل خدائے بزرگ کے ساتھ شرک کے برابر ہے۔ (وسائل جلد ۱۸ باب ۱۱ صفات قاضی ص ۹۹)

۵۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ (وسائل جلد ۱۸ ص ۵۳)

۶۔ خدا نے علماء سے عہد لیا ہے کہ وہ ظالموں کی شکم سیری اور لوٹ کھسوٹ اور غریبوں کی بھوک پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ (نہج البلاغہ خطبۂ شقشقیہ)

اور ظاہر ہے کہ سماج میں مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی سرکوبی حکومت اور اس کے قائم کیے ہوئے محکمے کی محتاج ہے۔

۷۔ قرآن میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اپنے سماج میں قسط یعنی عدالت پر قائم رہو۔ کیا سماج میں قسط حکومت اور حاکم کے بغیر قابل عمل ہے؟

۸۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کاموں کی انجام دہی اور احکامات کا نفاذ عالموں، خدا کے پہچاننے والوں اور پرہیزگاروں کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے حرام اور حلال میں کمی وبیشی نہیں کرتے اور امانت کی حفاظت کرتے ہیں۔ (تحف العقول ص ۲۴۲)

۹۔ امام علیؑ فرماتے ہیں: اَلْعُلَمَاءُ حُکَّامُ عَلَی النَّاسِ۔ علماء لوگوں کے حاکم ہیں۔ (غرر الحکم الحیات جلد ۲ ص ۲۹۳)

اوپر کی سطور میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں حکومت کا سربراہ عادل اور جامع شرائط فقیہ ہونا چاہیے۔ یہی فقہاء حضرت امام مہدیؑ کی غیبت کے زمانے میں معصوم اماموں کے حقیقی نمائندے ہیں اگر فقیہ کا اختیار اور ولایت ختم ہوجائے تو سماج میں طاغوت کا زور بڑھ جائے گا اور خدائی قوانین بدل دیے جائیں گے۔

❁ جو لوگ ولایت فقیہ کی مخالفت کرتے ہیں معلوم نہیں کہ ان کا مقصد کیا ہے؟

❁ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے حکومت اور اس کا نظام ضروری نہیں ہے؟

❁ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ نظام تو ضروری ہے لیکن اس کے لیے ناظم، والی اور حاکم ضروری نہیں ہے؟

❁ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے والی اور حاکم اسلام ناشناس افراد ہوں؟

❁ او وہ یہ کہتے ہیں کہ حاکم فقیہ اور اسلام شناس تو ہوں لیکن ضروری نہیں ہے کہ وہ عدالت اور تقویٰ بھی رکھتے ہوں؟

❁ کیا وہ یہ سوچتے ہیں ولایت فقیہ ایک قسم کا گروہی غلبہ ہے؟ کیا فقیہ کسی خاص طبقے کا نمائندہ ہوتا ہے؟

❁ کیا فقیہ کی خودغرضی اس کے عدل وانصاف کو ختم نہیں کر دیتی، جس سے سماج میں خود اس کی ولایت ہی ختم ہوجاتی ہے؟

❁ کیا ولایت فقیہ کو تسلیم کر لینا قوت واختیار کے کئی مراکز قائم کر لینا ہے؟

جب تمام احکام وفرامین اس غرض سے کہ اختلافی اور غیر اسلامی سمت میں نہ مڑ جائیں، فقیہ عادل کی نہر کو عبور کر کے آتے ہیں تو اس صورت میں اہل کاروں کو تمام اختیارات فقیہ کی جانب سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا اختیارات کے کئی مراکز قائم نہیں ہوتے بلکہ قوت واختیار کا مرکز صرف ایک ہی رہتا ہے اور وہ بھی آسمانی اور خدائی قانون اور حکم جو عادل فقیہ کے ذریعے سے نافذ العمل ہوتا ہے۔ ہم ولایت فقیہ کے مخالفوں سے پوچھتے ہیں کہ آپ قوم کو فقیہ عادل کے ہاتھوں سے نکال کر کس کے ہاتھوں میں دینا چاہتے ہیں؟

ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مسلمان کو اپنے کاموں میں کسی کی تقلید نہیں کرنا چاہیے اور کیا تقلید کے مواقع صرف عبادتوں ہی میں آتے ہیں؟ کیا سیاسی اور سماجی مسائل جیسے ہڑتال، پناہ گزینی، سفر، لڑائی، سمجھوتے، معاہدے، برطرفی اور تقرری وغیرہ میں حرام اور حلال کا امکان نہیں ہوتا؟ کیا ہر ایسے باب میں جہاں حلال اور حرام کا امکان ہوتا ہے ہمیں تقلید نہیں کرنا چاہیے؟

کیا مسلمان قوم کی رہبری اسلام ناشناس حاکم کے سپرد کر دینا ایسا ہی نہیں ہے جیسے کسی میڈکل کالج کو کسی ایسے شخص کے سپرد کر دینا کہ جو ڈاکٹر نہ ہو۔ کیا امت کو کسی غیر عادل کے سپرد کر دینا مقام انسانیت کے ساتھ بے انصافی نہیں ہے؟

کیا وہ وقت نہیں آ گیا ہے کہ ہم جھوٹی رہبریوں، سیاست بازیوں اور پیشہ ور موقع پرستوں سے بچیں، اپنے آپ کو اسلام کے دامن میں ڈال دیں اور صرف ایسی رہنمائیاں قبول کریں جو وحی کے پیمانوں پر پوری اتریں؟

بقیہ صفحہ ۲۰ کا۔۔۔

اس میں شک نہیں کہ اسلامی حکومتوں اور ملکوں کے سیاسی مواقف میں قربت خود دین اسلام کی پیروی کی وجہ سے ہے اور یہ اسلامی فرقوں کو عملاً ایک دوسرے کے نزدیک لانے میں بہت زیادہ مؤثر ہے کیوں کہ اسلامی حکومتوں اور ملکوں میں سیاسی اختلاف کا پایا جانا مذہبی، فقہی، فکری اور ثقافتی اختلاف کا موجب ہوگا۔

۶۔ مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے والی تنظیمیں، انجمنیں اور مراکز قائم کرنے کی تشویق اور اساسی مسائل میں وحدت و ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنا جو اسلامی فرقوں کو قریب لانے کا باعث ہو۔

۷۔ تعصب، فکری وسیاسی تنگ نظری قومی ونسلی اختلاف سے ہٹ کر اور معتدل موقف اختیار کر کے حکمت اور موعظۂ حسنہ کے راستہ کو اپنانا۔

۸۔ ایک دوسرے کی ملاقات اور مذہبی رسومات میں شرکت کے ذریعہ مسلمانوں کو آپس میں مل جل کر رہنے کی دعوت دینا، ائمۂ اطہارؑ نے اپنی حدیثوں میں خواہ وہ اجتماعی مسئلہ ہو یا عبادی اپنے شیعوں کو بالخصوص اس طرح کی زندگی گزارنے کی دعوت دی ہے۔

اگر مسلمان اس مقدس ہدف کی طرف متوجہ ہوئے تو ایسے راستے نظر آئیں گے جو انہیں اس مقدس ہدف سے قریب کر دیں گے جس کے نتیجہ میں رحمت الٰہی ان کے شامل حال ہوگی۔

انقلاب اسلامی کا ایک مختصر جائزہ

جناب پروفیسر سید حسین کمال الدین اکبر صاحب جائسی

دنیا والے جب انقلابات کی تاریخ مرتب کرتے ہیں تو ۱۷۸۸ء کے انقلاب فرانس، بیسویں صدی کے انقلاب روس اور اسی طرح کے دیگر انقلابات کی گفتگو ضرور کرتے ہیں۔ لیکن تقریباً یہ سب انقلابات ان ہی معنوں میں انقلاب مانے جاسکتے ہیں کہ انہوں نے اپنے وقت کے سیاسی یا سماجی ڈھانچے کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ اور اسی حد تک فکری انقلاب بھی برپا کیا ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ یہ سب قائدین مبلغین ہر شے کی تعبیر مادی کرتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں انقلاب کی تمام بنیاد مادیت کے ستون پر قائم رہتی ہے اور جیسے ہی زمانے کی دوسری گردش آتی ہے وہ انقلاب مردہ ہوجاتا ہے اور ایک دوسرے انقلاب کا مطالبہ کرنے لگتا ہے۔ یا آج کی دنیا میں ایک نظام حکومت کو طاقت اور اقتدار کے سہارے ہٹا کر دوسرا نظام حکومت یا دوسرے حاکم آجاتے ہیں اور اس کو انقلاب کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً برما کا نام بدل کر میاں مار کر دیا گیا، رنگون کو یانگون بنادیا گیا ہے اور انقلاب تسلیم کرلیا گیا۔ بنگلہ دیش ۱۹۷۱ء میں پاکستان سے الگ ہوگیا، یہ انقلاب ہے۔ شاید انقلاب کو بھی دنیا کی قومیں اسی طرح استعمال کرتی ہیں جیسے دوسرے بہت سے الفاظ ہر جگہ ایک نیا مفہوم رکھتے ہیں۔ سوشلزم، جمہوریت، آزادیٔ فکر، انسانی حقوق وغیرہ۔ ہر تبدیلی اس وقت تک انقلاب ہے جب تک انقلاب کہنے والی طاقت موجود ہے اور جب وہ طاقت ختم ہوجاتی ہے تو وہ سنہرا انقلاب سیاہ رجعت پسندانہ اقدام بن جاتا ہے۔

بنیاد انقلاب پیغمبرؐ اسلام: - آج سے چودہ سو سال پہلے جب پیغمبرؐ اسلام نے اپنے مشن کا آغاز کیا تو وہ بھی انقلاب کی کوشش تھا اس نظام جاہلیت کے خلاف جو عرب میں موجود تھا۔ تفصیلات معلوم ہیں ان کا تذکرہ بات کو طولانی کردے گا۔ لیکن پیغمبرؐ کے انقلاب کی بنیاد روحانی تھی۔ ایک گمراہ معاشرہ میں وہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے، نفوس کو پاکیزہ بناتے تھے، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ (جمعہ-۲) ان کا کہنا یہ نہیں تھا کہ اسلام قبول کروگے تو روٹی کا سہارا، مکان، لباس اور دیگر ضرورتیں پوری ہوجائیں گی بلکہ پیغمبرؐ کا فرمان تھا ''قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا'' لا الٰہ الا اللہ کہو تاکہ فلاح پاؤ۔ یہ فلاح یا کامیابی ہمہ جہت فلاح یا کامیابی ہے۔ نہ صرف مادی نہ صرف روحانی، جب کوئی معاشرہ روحانی انقلاب برپا کرلیتا ہے تو اس کا معاشی نظام اس کا سماجی ڈھانچہ حق وانصاف کے سانچے میں خودبخود ڈھل جاتا ہے۔ چنانچہ اسلام نے غریبوں کی خبرگیری، حسن سلوک، ایثار وقربانی کا جذبہ، ہمسایہ کا خیال اور اس طرح کے اعلیٰ اقدار کا چلن کردیا جو ایک روحانی انقلاب کا فطری نتیجہ ہے۔

دنیا والوں کے انقلاب میں یہی روحانی عنصر غائب رہتا ہے جو انقلاب کو ایک مردے کی طرح ڈھوتا رہتا ہے اور جب تعفّن ناقابل برداشت ہوجاتا ہے تو اس کو پھینک کر کوئی دوسرا مردہ اٹھالیتا ہے۔

انقلاب اسلامی کا پس منظر:- آیت اللہ خمینی طاب ثراہ نے بھی انقلاب اسلامی کی عمارت اس معاشرہ میں بنائی جہاں لوگ اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ کے عمل کی قیمت قرآن نے اس لیے بیان کی ہے کہ وہ ایام جاہلیت کے شکار فرسودہ اور بیمار ذہن کی تطہیر کر رہے تھے۔ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُبِیْنٍ۔ (حالانکہ وہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔) اگر ذہن صفحۂ سادہ ہوتو اس پر مناسب خطوط کھینچنا آسان ہے لیکن جب صفحۂ ذہن پر رواسم، طریقۂ آباء، اوہام، ہٹ دھرمی، انا پرستی کی کاراک لکیریں موجود ہوں تو اس پر کوئی تحریر لکھ دینا بڑا مشکل ہے۔ ایسی منزل میں مبلغ کا کام دوہرا ہے پہلے تو ان فرسودہ تحریروں کو مٹائے اس کے بعد مناسب خطوط ابھارے۔ اسی لیے جاہل عربوں کو کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ پڑھوانے والے رسولؐ کا مرتبہ کوئی دوسرا حاصل نہ کرسکا۔

ایران میں بھی کم وبیش ایسی صورت حال تھی۔ لوگ فیشن، شراب، آرام طلبی، مغرب پرستی، اسلام دشمنی، بے حیائی، محبت دنیا وغیرہ کے ایسے خوگر تھے کہ تہران کو مشرق کا پیرس سمجھا جاتا تھا۔ ایران شاہ کے چنگل میں پھنسا ہوا، ساواک کے مظالم سے ترساں، ذرائع ابلاغ پر پہرے، بھلا کون سوچ سکتا تھا کہ فیضیہ قم کا ایک استاد پوری سطوت شاہی کو اپنی ٹھوکر سے ختم کردے گا۔ اس کے سامنے ایک شاہ کا تاج نہیں تمام شاہوں کے تاج لرزاں نظر آئیں گے۔ پھر جسے جلاوطن کردیا گیا ہو۔ پیرس کے قریب ایک گاؤں میں زندگی بسر کرنے والا مجاہد دنیا کی نظر میں اس قابل نہ تھا کہ انقلاب لاسکے۔

مگر اس نے اپنے انقلاب کو روحانی پیکر دیا۔ نہ وہ روٹی کے لیے لڑا نہ اس نے دولت کے لیے جنگ کی بلکہ اس نے بنیادِ انقلاب اسلام کو بنایا۔ ایرانی عوام کی ایسی تطہیر کی کہ جو بے پردگی پر نازاں تھے اب حجاب پر فخر کرتے تھے۔ جو کیبرے کے عاشق تھے اب ڈھائی اور تین گھنٹے تک دعاء کمیل کی تلاوت کرتے ہیں۔ جنہیں محبت دنیا نے کلبوں اور تفریح گاہوں میں روک رکھا تھا وہ مسجدوں میں اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ دوسروں کو ذوق عبادت پیدا ہوجائے۔ اسی لیے مصائب کی شدت سے ایرانی گھبرائے نہیں اگر آیت اللہ خمینیؒ نے راحت اور سکون کا وعدہ کیا ہوتا تو ان کی قوم ان سے مطالبہ کرسکتی تھی کہ جنگ نہ کیجئے، بڑی طاقتوں سے صلح کیجئے، ہماری سہولتیں شاہ کے زمانے سے زیادہ ہونی چاہئیں۔ مگر نہ اس کا وعدہ تھا اور نہ اس کا مطالبہ ہوا۔ وعدہ اسلام کے احیاء کا تھا اور وہ ہوکے رہا۔

مجھے یاد ہے کہ کئی سال پہلے میرے پندرہ روزہ قیام تہران میں جب میں قم جارہا تھا، میرے ایک حیدرآبادی دوست نے جو اس وقت وہیں مقیم تھے، بتلایا کہ نوروز کے زمانے میں انقلاب اسلامی سے پہلے تہران سے قم تک کے طولانی راستے میں ایرانی ایک ہفتہ تک جشن مناتے تھے اور صبح کم از

کم ایک لاکھ خالی شراب کی بوتلیں یکجا کی جاسکتی تھیں۔ وہ کہنے لگے کہ جب میرے یہاں لڑکی کی ولادت ہوئی تو میں رو پڑا میرے ایرانی اعزا کہنے لگے کہ تم ہندوستانی مزاج والے لوگ لڑکی کی ولادت پر روتے ہو۔ تو میں نے کہا تھا کہ میں اس پر نہیں روتا ہوں کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے بلکہ اس ماحول میں اس کی عفت وعصمت کی حفاظت کیسے ہوگی؟ مگر اب خدا سلامت رکھے آقائے خمینیؒ کو، جن کے ہوتے ہوئے ہماری عورتیں محفوظ تو ہیں، مہنگائی بڑھتی ہے تو بڑھ جائے۔

انقلاب اسلامی کا دوسرا تابناک پہلو یہ ہے کہ کسی مخصوص طبقہ سے متعلق نہ تھا۔ عام طور پر دنیا میں فوجی انقلاب، مزدوروں کا انقلاب، کسانوں کا انقلاب یا اسی طرح کے طبقاتی انقلاب آتے رہتے ہیں۔ اسلامی انقلاب کے مخاطب سب تھے۔ عوام اور خواص، مرد اور عورتیں، بچے، امیر وغریب۔ اس لیے یہ انقلاب کسی طبقۂ خاص میں محصور نہیں رہا اور یہی اس انقلاب کے دوام اور پائداری کا سبب بنا۔ کتنا مشکل کام تھا ایک منظم طاقت کے مقابلہ میں ایک غیر مسلح بھیڑ کو کھڑا کر کے منظم طاقت کو بکھیر دینا۔ مگر شاعر مشرق نے جو کہا تھا وہ آیت اللہ خمینیؒ نے کر کے دکھا دیا ؎

تڑپا دو غریبوں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

دنیا کے ذرائع ابلاغ جن ہاتھوں میں تھے انہوں نے اپنی مفاد پرستی کے پیش نظر ہمیشہ انقلاب اسلامی کو کمتر بنا کے پیش کیا۔ کبھی ایران کی کمزوری کا رونا، کبھی وہاں سزاؤں پر واویلا، کبھی فوجی طاقت کی کمی کا اظہار اور کبھی اقتصادیات کا چرچا اور آخر میں سلمان رشدی کے قتل کے فتویٰ پر بربریت کا رونا وغیرہ۔ اگر کوئی کمزور انقلاب ہوتا تو اب تک ڈھے پڑتا لیکن جس شجر انقلاب کی جڑیں شہدا کے لہو سے سینچی گئی ہوں جس میں شہدائے کربلاؑ کی مثالیت خون بن کے دوڑ رہی ہو وہ ان جھونکوں سے کب متاثر ہوسکتا ہے۔ آج آیت اللہ خمینیؒ موجود نہیں ہیں مگر انقلاب اسلامی کا درخت اسی طرح سبز وشاداب ہے اور گویا پکار پکار کے زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ میری شادابی خمینیؒ کی حیات جاودانی کا اعلان ہے۔

امام خمینی علیہ الرحمہ
ایک بے مثال رہبر

حجۃ الاسلام مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب قبلہ پونہ

عظیم اسلامی انقلاب کے کے عظیم الشان قائد، جمہوری اسلامی ایران کے بانی، جہانِ اسلام کے پیشوا امام امت حضرت سید روح اللہ الموسوی الخمینی قدس سرّہ الشریف کی جان سوز و دلگداز وفات حسرت آیات کو کافی عرصہ بیت چکا ہے لیکن اس طرۂ دستار اسلام و فرزند زہرا نے اپنی پر مشقت ومحن طویل مجاہدانہ قیادت کے آخری دنوں میں دو اہم اقدام ایسے کئے کہ ہمیں لگتا ہے کہ آج ان کے معنوی وجود کا آفتاب مادی وجود کے ماہتاب سے بھی زیادہ تابناک ومنور ہوکر عالم اسلام کو متجلی، توانا و ہشیار بنائے ہوئے ہے۔ کم و بیش یہی زمانہ تھا جبکہ ہمارے محبوب وفقید امام نے مادیت کے سب سے بڑے پجاری ومہنت کو ایک زلزلہ افگن تاریخی پیغام بھیجا تھا جس کی جرأت مردانِ الٰہی کے سوا کوئی اور نہ کر سکتا تھا۔ اس پیام میں روسی رہنما گورباچوف کو پیمبرانہ اسلوب میں حیات بشری میں معنویت وروحانیت کی اہمیت بتائی گئی تھی اور بڑے مشفقانہ مگر منطقی انداز میں ان کو اسلام کے مطالعہ کی دعوت دی گئی تھی ساتھ ہی یہ پیشین گوئی بھی کی گئی تھی کہ عنقریب کمیونزم تاریخ کے میوزیم میں محدود ہوکر رہ جائے گا اور اس کا کلیدی سبب عقیدۂ خدا پرستی وروحانیت کا فقدان ہے اس عظیم ومنفرد مہم میں تاریخ اسلام کے طول و عرض میں وہ پیغمبر اسلامؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے والے تنہا ایک رہبر ملتے ہیں غالباً کل بھی ان کی نظیر نہیں مل سکے گی۔ ابھی اس ندائے دعوت و بشارت کی گونج باقی ہی تھی کہ اس نذیر امت کے لئے آزمائش کی دوسری منزل سامنے آگئی جو اس سے بھی کٹھن تھی اس کے نتائج وعواقب سے بھی حضرت امامؒ آگاہ تھے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ سلمان رشدی کی کفر آمیز کتاب سے مسلمانوں میں بے چینی و انتشار کا طوفان اٹھ رہا ہے اور اس منحوس کتاب آیات شیطانی کے خلاف مسلمانوں نے جان ومال کی بازی لگادی ہے تو آپ سے رہا نہ گیا اور آپ بھی امت کے اس جوش وخروش میں شامل ہو گئے اور اپنے تاریخی فتوے سے صور اسرافیل کا کام لیا جس سے دشمنان اسلام کا دم نکل گیا اور مسلمانوں کو حیات نو مل گئی حضرت امامؒ نے کتاب شیطانی آیات کے دل آزار متن اور مسلمانان عالم کے بڑھتے ہوئے ہیجان کو ملاحظہ فرمایا اور سوچ سمجھ کر اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے بڑی جرأت وصلابت کے ساتھ حکم دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دنیا بھر کے غیرت مند مسلمانوں کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ ''شیطانی آیات'' نامی کتاب جو اسلام، پیغمبر اور قرآن کے خلاف لکھی، چھپی اور شائع کی گئی ہے اس مؤلف اور کتاب کے مواد و مضمون سے باخبر ناشر کی سزا موت ہے۔ میں غیرت مند مسلمانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان افراد کو جہاں کہیں پائیں جلد از جلد موت کے گھاٹ اتار دیں تاکہ پھر کسی میں مسلمانوں کے مقدسات کی توہین کرنے کی جرأت پیدا نہ ہو۔ اس (حکم کے نفاذ کی) راہ میں قتل ہونے والے افراد شہید ہیں انشاء اللہ۔ اگر کوئی شخص مؤلف تک رسائی رکھتا ہے، لیکن اسے سزائے موت دینے کی خود اس میں توانائی نہیں ہے تو وہ عوام کو اس کا ٹھکانہ بتائے تاکہ وہ اپنے کیفر کردار تک پہونچ جائے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ

روح اللہ الموسوی الخمینی

۸ / رجب المرجب ۱۴۰۹ھ

اس فتوے نے ساری دنیا کے سمندر میں طغیان پیدا کر دیا اور شرق سے غرب تک ایک سنسنی پھیل گئی اور زخم خوردہ مسلمانوں کے دل کو مرہم مل گیا۔ برطانوی حکومت اور دوسرے غیر مسلم ممالک کے افراد و حکومت نے اس فتویٰ پر جو ردعمل ظاہر کیا اس کی تو کسی حد تک توقع بھی تھی لیکن مسلم ممالک کے اشخاص کی خاموشی اور استہزا، نہ صرف قابل حیرت بلکہ لائق تعزیر و ملامت بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فتوے کے بعد دنیائے اسلام کے غیرت دار مسلمانوں نے حضرت امام خمینیؒ کی رہبریت کو صدق دل سے قبول کر لیا اور ان کے بدخواہوں کے قدموں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ آج بھی امامؒ کا فتویٰ زندہ و برقرار ہے اور رشدی کے طرفداروں کو کچل رہا ہے۔ مغربی ممالک میں اب ایسے قوانین بن رہے ہیں جس کے تحت پیغمبرؐ اسلام کے حضور میں ہر چھوٹی بڑی گستاخی کو جرم قرار دیا جا رہا ہے۔

حضرت امام خمینیؒ کی حیات طیبہ کے آخری دور کے ان دو واقعات کا ذکر صرف بیان واقعہ کے طور پر نہیں کیا گیا بلکہ بتانا یہ ہے کہ ہماری دنیا میں امام امت ہی ایک ایسے منفرد رہبر تھے جن پر ماحول، وقت، زمانہ، تقاضائے عمر، مصلحت رعایت جیسے عوامل اثر انداز نہیں ہوتے تھے چنانچہ ارمان و حرکت و عمل سے بھرے ہوئے پرشور ایام شباب میں امام فقید نہایت خاموشی اور متانت کے ساتھ حالات کا بغور مشاہدہ کرتے نظر آتے ہیں۔ درس و مطالعہ کے سوا ان کا کوئی قولی و عملی کردار نہضت و انقلاب کی راہ میں دکھائی نہیں دیتا۔ اپنی طالبعلمی کے دور میں وہ اپنے اساتذہ کے چہیتے اور قابل فخر شاگرد تھے اور ان کی صلاحیت و استعداد کا شہرہ تھا۔ اس کے بعد وہ فلسفہ و اخلاق، سیر و سلوک و عرفان، تفسیر و حدیث و فقہ و اجتہاد کے درس میں نمایاں و ممتاز حیثیت کے مالک اور اپنے بزرگ علماء کے معتمد اور مشاور تھے۔ ان کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی مگر عملی اقدام سے وہ خود کو الگ رکھے ہوئے تھے اگر چہ تمام انقلابی علماء اور رہنماؤں سے ان کا ربط تھا لیکن باقاعدہ وہ کسی سے ملحق نہیں تھے البتہ اگر اس زمانے کی تحریر، تقریر، درس و تصنیفات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو لگتا ہے کہ آپ کو آنے والے

زمانے میں اپنی مسؤلیت و رسالت کا احساس تھا اور جس طرح درخت کے بیج میں پورا درخت چھپا ہوتا ہے اور وہ زیر زمین جانے کے مدتوں بعد چھتنار ہو کر پھیلتا ہے اور اسی وقت اس کی تمام خاصیت و کیفیت و منفعت حواس خمسہ سے محسوس کی جاتی ہے۔ اسی طرح ساٹھ کی دہائی کے بعد حضرت امام خمینیؒ نے حکومت اسلامی، ولایت فقیہ، عدلیہ وانتظامیہ ومقننہ کا جو تفصیلی ومنضبط خاکہ پیش کیا اور انقلاب کی کامیابی کے بعد اسے عملی جامہ پہنا کر دنیائے غرب وشرق کو چکا چوند وحیرت زدہ کر دیا اس کا بنیادی تصور ان کی ابتدائی تصنیفات میں موجود ہے جس میں ایک کتاب ''کشف اسرار'' ہے جو انقلاب سے پچاس سال قبل لکھی گئی۔

''کشف اسرار'' نہایت جامع و پرحکمت کتاب ہے اگر چہ وہ ایک مخالف اسلام، پہلوی حکومت کے پالتو کتے کی بق بق بنام ''اسرار ہزار سالہ'' کے جواب میں لکھی گئی ہے اور اس وقت جبکہ بعض وجوہ سے کوئی اس کا راہم کے لئے آگے نہیں بڑھا تو حضرت امامؒ نے مرض چشم کے ہوتے ہوئے اس قلمی جہاد پر کمر کس لی اور اسلامی وجعفری عقائد کو آیات قرآنی، فلاسفہ کے بیانات اور محکم ومسکت دلائل و شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہوئے ناہنجار رضا خان کی حکومت کی اسلام شکن حرکات اور جبر واستبداد ووحشیانہ پن کو بھی بڑی خوبصورتی سے اجاگر کیا۔ عصر حاضر کے چند کم نظروں اور فتنہ پروروں نے کتاب مذکور کے بعض اجزاء کو ان کے سیاق و سباق سے جدا کر کے امامؒ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام خمینیؒ کی بے تاب روح اسلام پرستی اور انقلابی افکار کے تانے بانے کو نزدیک سے دیکھنے اور چھونے کے لئے اس مختصر سے رسالے کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ یہ صرف میرا اپنا ذاتی خیال نہیں بلکہ ''انقلاب اسلامی ایران'' کے پیچ وخم اور اس کے فلسفہ کے ماہر وشناسا پروفیسر حامد الگار کا بھی یہی کہنا ہے۔

انقلاب اسلامی ایران اور اس کے بے مثال قائد حضرت امام خمینیؒ دنیائے اسلام و مستضعفین عالم کے لئے جس قدر باعث شرف و برکت وسرفرازی ہیں اتنے ہی مظلوم و مقہور وعبرت وحسرت کا نمونہ ہونے میں بھی وہ آپ اپنا جواب ہیں اور وہ یوں کہ آج کے روشنی یافتہ، ترقی پسند آزادیٔ انسان کے دور میں بھی ذرائع ابلاغ ووسائل ورسائل کی بہتات کے باوجود یہ دنیا انقلاب اسلامی کی کامیابی کے پہلے اس اسلامی تحریک اور انقلاب سے آگاہ تھی نہ اس کے طویل و خونچکاں ماضی سے آشنائی رکھتی تھی اور نہ ہی اسے اس انقلاب کی محکم و سازش ناپذیر قیادت کا کوئی ادراک تھا حتیٰ کہ ۱۹۷۸ء میں جب اس تحریک نے خون ناحق کی دھاروں سے سرزمین ایران کو سرخ سمندر میں بدل دیا جب بھی غیر تو درکنار امت اسلامی اور عام مسلمان اس کی پرچھائیں سے دور تھے۔ اگر کچھ جانتے بھی تھے تو وہی جو معدوم شاہ کی ساختہ پرداختہ اخباری مشینری سناتی تھی یعنی ''اسلامی مارکسسٹوں کی شورش'' یا استعمار سرخ وسیاہ کا گٹھ جوڑ، شرق و غرب کے تمام ذرائع ابلاغ شاہ کے زیر دست تھے اور اسلامی دنیا بھی اسی کو سچ مان لینے میں اپنی بھلائی وادائیگی فرض جانتی تھی حالانکہ حقیقت کچھ اور ہی تھی:۔

۱۔ ملت ایران نے پہلی بار اپنے تئیں دنیائے اسلام کا ایک حصہ ہونے کا اعلان کیا تھا۔

۲۔ قومی بورژوا حکومت اور اس سے وابستہ ہر گروہ کی نفی کی تھی۔

۳۔ اسلامی بنیادوں پر حکومت اسلامی کی تشکیل مصمم ہو چکی تھی۔

۴۔ ایران کے تمام گروہوں اور سیاسی و مذہبی جماعتوں کو اس تحریک میں شامل کیا گیا تھا۔

۵۔ بڑی طاقتوں اور ملک میں ان کے عوامل سے ان کا مقابلہ تھا۔

۶۔ ہر بات میں عالم اسلام کے مفاد کو سامنے رکھا گیا تھا۔

۷۔ ایسا رہبر اور ایسی رہبری تلاش کر لی گئی تھی جو کسی خاص گروہ یا مخصوص طبقہ کے مفاد کا پاسدار نہ ہو۔

امام امت کی رہبری کی انفرادیت یہ تھی کہ ان کے پاس نہ کوئی اخبار تھا نہ جدید دور کی تبلیغ کوئی وسیلہ۔ گذشتہ کئی صدیوں کے رہبروں کے درمیان اس صفت میں امام اور انقلاب اسلامی کے دیگر رہنما تنہا نظر آتے ہیں۔ انقلاب فرانس، انقلاب روس وچین، اٹلی، ہند و الجزائر سب کے پاس ضعیف یا ضعیف تر یا قوی ذرائع ابلاغ رہے ہیں حتی کہ انقلاب مشروطہ کے دور میں بھی ایران کے باہر کئی اخبارات شائع ہوتے تھے۔ کلکتہ (ہندوستان) کا حبل المتین اس کی ایک مثال ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد تو ہر چہار جانب سے معاندانہ پروپیگنڈہ کی برسات شروع ہوگئی اور سب کی کوشش یہی رہی کہ اس انقلاب کی آگ کو بجھا دیا جائے، اسے منحرف کر دیا جائے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اسے محدود کر کے مقامی و مسلکی بنا دیا جائے اور اس کے رہبر عظیم کو عام مسلمانوں اور دنیا کی نظروں میں منفور کر دیا جائے اس 'کار خیر' میں سعودی وظیفہ خوار علماء نے بھی خاصا ہاتھ بٹا دیا اور ہندوستان و پاکستان کے اہل قلم نے کافی مادی فوائد اٹھائے اور اٹھا رہے ہیں اور بعض حالات مثلا طویل جنگ، اقتصادی محاصرہ، اپنی نیک نفسی وسادہ اندیشی وتجربے کی کمی کے باعث حکومت جمہوری اسلامی اس کا ترکی بہ ترکی جواب دینے سے قاصر رہی اس کے بعد بھی یہ انقلاب زندہ ہے، متحرک ہے، سفر میں ہے۔ کیا یہ اس انقلاب اور اس کے رہبر کی انفرادیت کے لئے کافی نہیں ہے؟

حضرت امام خمینی کی بے مثال قیادت کا تجزیہ اگر ان ہی کے اقوال و افکار کی روشنی میں کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ان کی بھاری بھرکم قیادت اور عوام کے بے مثل فداکارانہ جذبہ کو دیکھ کر مادی دنیا کے پرستاروں کی عقل دنگ اور زبان گنگ ہے۔ مغربی ممالک، امریکہ و اسرئیل میں انقلاب اسلامی اور امام خمینیؒ کی قیادت کئی سال سے بحث وتحقیق و تجزیہ کا موضوع بنی ہوئی ہے مگر ابھی تک وہاں کے لال بجھکڑ کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں اسی طرح حضرت امامؒ کی زندگی میں ان کے آئندہ اقدام کا اندازہ لگانے میں ماڈرن آلات بھی کند ہو گئے ہیں وجہ یہ کہ امام خمینیؒ کی قیادت کی بنیاد ایمان وتقویٰ پر استوار و قائم ہے۔ ولایت فقیہ کا مطلب ہی ہے متقی علماء کی حکومت۔ تقویٰ کیا ہے اور متقی کون ہے؟ مختصر یہ ہے کہ تقویٰ ہر انسانی فضیلت کا سرچشمہ بھی ہے، سرتاج

بھی۔ جب دنیا حب جاہ اور ہر دنیاوی حرص وخوف سے دوری مگر اللہ سے بے انتہا خوف وخشیت، نالۂ نیم شبی اور صبحگاہی کے کاسہ میں نجات وغفران کی طلب ہی متقی قائدوں کا سرنامۂ امتیاز ہے اور یہ قیادت پیغمبروں کی وسید النبیین و امام المتقین کی میراث ہے ان کی قیادت دین کے خطوط پر ہوتی ہے اسی لئے ان کی سیاست ودین میں جدائی نہیں ہوتی۔ امام خمینیؒ نے اپنے پیشر وعلماء حق مثلاً سید حسن مدرس کی طرح اسے عمل وکردار سے ثابت کردیا وہ اپنی عمر کے بیشتر حصہ میں صرف پیشوائے دین، مرجع تقلید، روحانی رہنما، حوزۂ علمیہ کے معلم اعلیٰ زینت مسند اجتہاد رہے لیکن اس کے بین السطور میں ہمیشہ پاک سیاست کی زیریں لہر موجزن رہی اور ان کے جہاد اسلامی کا آغاز ہی نہیں تیاری ومشق بھی شہر علم قم اور مدرسہ فیضیہ وحسینیہ ومساجد میں ہوئی عملی سیاست کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد مسلسل دس سال تک امامؒ نے انتہائی پیچیدہ وحشتناک اور پرخطر حالات اور مصائب وابتلا کے دور یعنی داخلی شورش و بھیانک دہشت گردی و ہولناک جنگ تحمیلی کے زمانے میں اپنی فہم وفراست، قدرت وطاقت ومقبولیت کے سکے دوست ودشمن سب کے دلوں پر بٹھائے لیکن ساتھ ہی ساتھ کار دینی، علم وتعلم، حوزۂ علمیہ، مجلس فتویٰ کو بھی بے انتہا فروغ دیا ایران اور ایران سے باہر تبلیغات اسلامی کا جال بچھا دیا جس سے آج اسلام حقیقی کا افق وسیع وروشن تر ہو رہا ہے اور یہ آواز ہر جانب سے آرہی ہے کہ اسلام ہی انسان کی ہر جائز خواہشات وضروریات کی مکمل خانہ پری کرسکتا ہے۔

پہلے یہ اشارہ کیا جاچکا ہے اور اسے صاف لفظوں میں یہاں کہنا مناسب ہے کہ حضرت امام خمینیؒ کا ہر عمل تکلیف شرعی کے تحت ہوتا تھا، چاہے وطن ہو یا جلاوطنی، قیادت ہو یا عوامی وانفرادی حیثیت۔ چنانچہ جب نجف اشرف سے آپ نے اپنا اخراج منظور کیا تو یہی کہا کہ یہ میری تکلیف شرعی کا تقاضہ ہے۔ اسی طرح جنگ تحمیلی کو مردانہ وار جھیلا تو بھی شرعی ذمہ داری جان کر، اسی لئے سخت سے سخت مصیبت ان کے قدم میں لرزش نہیں پیدا کرپائی خواہ وہ پردیس میں ان کے جوان وصالح وقوت بازو بیٹے کی اچانک وپراسرار موت ہو یا دل کے ٹکڑوں اور پارۂ تن کی دلخراش شہادت یا بہتر جانثاروں کی یکبارگی و اجتماعی شہادت صبر واستقامت کے ساتھ وہ صرف خود ایسے حالات میں مثل کوہ جمے نہیں رہتے بلکہ امت کو حوصلہ وتوانائی بھی بخشتے تھے، ہر مصیبت کے مستقبل کو چیر کر ان کی مومن نگاہیں خوشگوار مستقبل کو دیکھ لیتی تھیں اور وہ اسے بشارت بتا کر عوام کی ہمت افزائی کرتے تھے، یہ بات بھی ان کو تمام رہبروں سے ممتاز کرتی ہے۔ عراق کی بعثی حکومت نے جب اچانک بیس ڈویژن کا لشکر اور ٹینک وتوپ خانے کو ہزاروں کلومیٹر ایران کی سرحد کے اندر داخل کردیا تو عام انتشار و بوکھلاہٹ کے ماحول میں امامؒ نے صدا دی کہ ''یہ جنگ نعمت ہے۔ یہ جنگ ملک وسرحد کی نہیں اسلام کے خلاف ہے اور جمہوری اسلامی کو نابود کرنے اور انقلاب اسلامی کو برباد کرنے کے لئے ہے اس لئے اس کا مقابلہ ملت کی ایک ایک فرد پر واجب ہے۔'' اس صدائے غیبی کا بلند ہونا تھا کہ ساری امت اسی طرح صحنۂ جہاد میں کود پڑی جیسے انقلاب کے لیے اسلامی حکومت کے حصول کے لئے میدان

میں اتری تھی اور چند ہفتوں کے اندر عالمی امپریلزم کے خواب تار تار ہو گئے اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

عام رہبروں اور قائدین کے یہاں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ دوران انقلاب اور تحریک آزادی کے شباب کے دور میں پرجوش تقریر، اشتعال انگیز تحریروں کا استعمال کرتے ہیں خفیہ ریڈیو اسٹیشن، پمفلٹ واخبار سے کام لیتے ہیں لیکن امام خمینیؒ نہایت سکون کے ساتھ اپنا کام کرتے ہیں اور پندرہ سال کی جلاوطنی میں امت کو اس قدر جوش وجذبہ ایمان سے بھر دیتے ہیں کہ ان کو تاریخ اپنا سرمایۂ افتخار بنا لیتی ہے۔ کوئی یقین کرے یا نہ کرے، امام خمینیؒ نے جون ۱۹۷۸ء تک نجف اشرف میں رہ کر کسی اخباری کی بات نہیں سنی صرف مشہور فرانسیسی اخبار ''لے موند'' کا نمائندہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور اس نے امام کا پہلا انٹرویو اپنے اخبار میں شائع کیا۔ کیونکہ امام خمینیؒ اخبارات کے غلط رویہ سے ہمیشہ نالاں رہے اور ان کی بات بالکل سچ تھی۔ اس انٹرویو میں امامؒ نے سب کچھ کہہ دیا ہے اور انقلابی حکومت کے خدوخال بھی واضح کر دئے ہیں اور آپ نے جو کچھ کہا اس میں تاحیات یعنی انقلاب کے بعد بھی سرمو فرق نہیں آیا۔ اب لازم ہے کہ میں یہاں پر انقلاب اسلامی اور اس کی قیادت کی اس انفرادیت کا ذکر کروں جو سورج کی طرح روشن ہے اور اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ حضرت امام نے تبلیغات اور اپنے پیغام کی اشاعت صرف اپنے ملک وملت کے لوگوں کو کی اور یہ سلسلہ نجف سے پیرس تک جاری رہا۔ امام کے فرمودات کو ٹیپ کر لیا جاتا تھا پھر ٹیلیفون کے ذریعہ اسے ایران پہونچا دیا جاتا جس کے بعد ہزاروں لاکھوں کیسٹ ملک کے چپہ چپہ میں پھیل جاتے تھے اور یہ طریقہ انتہائی مؤثر وکامیاب رہا اور بے مثال بھی۔

ہر انقلاب کے لئے ابتدا سے ایک گروہ مصیبت بن جاتا ہے اور اس سے نمٹنا دشمنوں سے لوہا لینے سے زیادہ سخت ہوتا ہے پیغمبر اسلامؐ کے زمانے کے منافقین سے لے کر آج کے درباری علماء کا ایک مربوط سلسلہ ہے۔ دوسری اصطلاح میں انقلاب اصلی اور انقلاب نقلی گروہ کا تصادم نہایت خطرناک ہوتا ہے اور کبھی کبھی انقلاب اصلی کی شکست بھی ہو جاتی ہے جیسے کہ انقلاب مشروطۂ ایران ۱۹۰۶ء اور ہندوستان میں جے پرکاش نرائن کے انقلاب ۱۹۷۷ء کا انجام ہوا۔ چین میں ان دونوں گروہوں میں تیس سال تک خونریزی ہوتی رہی۔ لینن کے بعد انقلاب روس اسٹالین ایسے بدخواور سفاک انسان کے ہاتھ میں آیا جس نے لاکھوں آدمیوں کو مولی گاجر کی طرح اڑا دیا لیکن یہ حضرت امام خمینیؒ کی رہبری و قیادت کا کمال اور انفرادیت ہے کہ جنگ تحمیلی کے دور میں منافقین اور انقلاب بدلی کے مختلف گروہ کو آہستہ آہستہ اس طرح ختم کر دیا گیا کہ آج ان کے نام لیوا بھی نہیں رہ گئے ہیں۔

امام خمینیؒ کی سادگی مشہور ہے اور اس میں کسی وقت بھی تبدیلی نہیں آئی بعض لوگ اس کے مقابلے میں چند دیگر رہبروں کی مثال بھی پیش کرتے ہیں جس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا مگر امامؒ کی سادگی کا کمال یہ ہے کہ ان کے کے یہاں صرف غذا ولباس ومکان ہی کی سادگی نہیں بلکہ گفتگو، تحریر، فکر و نظر، طرز وادا ہر شئے میں سادگی تھی اور اس کی وہ دوسروں کو تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ مثلاً جب آپ پندرہ سال کی

جلاوطنی کے بعد کروڑوں افراد کے استقبال کے ساتھ تہران آئے تو پہلی منزل قبرستان بہشت زہرا قرار دی۔ وہ خود کو نہ عالم کہلانا پسند کرتے تھے نہ رہبر، وہ پاسداروں کے ہاتھ چومتے تھے، وہ شہادت کی آرزو کرتے تھے اور برادر کہا جانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ ان کو یہ بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ ان کی تصویریں بکثرت شائع ہوں، وہ بے انتہا پابند وقت اور تہجد گزار تھے اور دوسروں کو اس کی نصیحت کرتے تھے اتنی مصروفیت اور بلند مقام پانے کے بعد بھی عام اور چھوٹے ملاؤں اور عالموں کا کام کرنے میں ان کو کوئی انکار نہ تھا۔ نکاح خوانی، استخارہ، دستار بندی، قرآن خوانی، قرآن و دینیات کی تعلیم ایسے کام بھی مرحوم امامؒ نے اپنی عظیم رہبری کے پر آشوب دور میں کمال انبساط و آمادگی سے انجام دیے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی چھوٹی بہو کے اصرار پر امام نے بہت سی عرفانی غزلیں بھی کہی ہیں جو اگر چہ علم و معرفت کا ایک سمندر ہیں لیکن میرے خیال میں یہ بھی ایک رہبر قوم کے لئے انسان دوستی و دلدہی کا ایک بے مثال کارنامہ ہے۔ ظاہر ہے کہ شاعری فکر و غور و نظم کے لئے وقت و محنت چاہتی ہے اور ایسا رہبر جس کی زندگی کا ہر لمحہ تاریخ کی ایک صدی پر بھاری ہو وہ اپنا قیمتی وقت محض اپنے عیال کا دل رکھنے پر صرف کردے، بہت بڑی بات اور سبق آموز واقعہ ہے۔ امام مرحومؒ کی انفرادی سادگی یہ بھی تھی کہ وہ دوسروں سے بھی سادگی چاہتے تھے زندگی میں بھی اور تقریر و تحریر میں بھی۔ ان کی عبارت بہت آسان و سادہ ہوتی تھی، ہر تصنع و جذبات سے عاری۔

یہ سوال اکثر اٹھتا رہا ہے کہ اور اس پر دنیا کے مختلف الخیال افراد نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ امام خمینیؒ کی کامیابی کا راز کیا تھا لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس کامیاب قیادت اور ایسی پر جوش و فداکار امت کو امام خمینیؒ نے اپنی روحانیت و معنویت اور شب و روز کی تربیت و محنت سے تیار کیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا، کہا، دکھایا، سنایا سب کچھ کھلی کتاب کی طرح تھا اور اسلام اصلی کا پرتو۔ انہوں نے ابتدائے زندگی سے لے کر آخر تک اس پر حرف بحرف عمل کیا اور بیس تیس سال کی تعلیم و تربیت کی مشقت اٹھا کر سیکڑوں باعمل و اخلاص وسیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند ساتھی و ہم خیال لوگوں کی جماعت بکھیر دی۔ تعلیم، تزکیۂ نفس اور اخلاق کی، تہذیب کی تھی۔ امامؒ اس امر پر بہت رنجیدہ رہتے کہ آجکل تعلیم یافتہ افراد میں تہذیب و اخلاق سے آشنائی ختم ہو چکی ہے اور دنیا میں فساد و فحش و بداخلاقی اسی وجہ سے بڑھ رہی ہے۔ وہ ایک واحد قائد تھے جو کہتے تھے اور انہوں نے بارہا کہا کہ انقلاب اور اس کی برکتوں میں میرا کوئی ہاتھ نہیں نہ میرا قیام ایران کی حکومت بدلنے کے لئے تھا بلکہ یہ خدائی کارنامہ ہے۔ ہمارا قیام صرف اسلام کے لئے تھا وہ اسلام جو خالص محمدی اسلامؐ ہے نہ کہ اسلام امریکائی والتقاطی۔ اتنا ہی نہیں وہ یہ بھی کہتے تھے کہ انقلاب کسی ایک فرد کا رہین منت نہیں ہے البتہ جب تک میں ہوں عوام کی اس امانت اسلام کو مٹنے نہ دوں گا نہ ملک کی مہار قومیت پرستوں یا لبرل لوگوں کے ہاتھ میں جانے دونگا۔ کیونکہ اسلام غریب و بے سہارا عوام کی امانت ہے اور یہی ہوا انحراف پسندوں کی ہر سعی بے کار گئی اور عوام نے انہیں رسوا کر کے ان سے بے زاری کا اظہار کیا۔

جنگ تحمیلی حضرت امام خمینیؒ کی عظیم آزمائش اور خدا کی طرف سے ان کا سخت و آخری امتحان تھا جس میں وہ صد در صد کامیاب ہوئے۔ انہوں نے آٹھ سال تک نہ صرف عراق کی درندگی کا منہ توڑ جواب دیا بلکہ ساری دنیا خصوصاً امریکہ سے مقابلہ کیا اور کسی منزل پر گھٹنے نہیں ٹیکے۔ امت کی فرد فرد میں جذبۂ شہادت و دفاع کو بھر دینا اور شمع اسلام و وطن پر پروانہ وار جان نثار کرنے پر آمادہ کر دینا تمام دنیا کو انگشت بدنداں کر گیا۔ امامؒ نے صحیح معنوں میں جہاد حسینی کا نمونہ دنیا کی نظروں کے سامنے پیش کر دیا اور ''كُلُّ اَرْضٍ كَرْبَلَا وَ كُلُّ يَوْمٍ عَاشُوْرَا'' کے رجز کو سب کے دل و دماغ میں اتار دیا۔ اس جنگ کے دوران بھی امامؒ کی قیادت بے مثل رہی کہ ایک ہی وقت میں وہ فوج کے اعلیٰ کمانڈر تھے تو دوسری طرف عوام کے دل و دماغ کی ڈور بھی ان ہی کے ہاتھوں میں تھی اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر وہ زہر کا پیالہ نہ پیتے اور جنگ کو مجبوراً نہ بند کرتے تو قوم کا بچہ بچہ ان کی رضا کے لئے جان سے گزر جاتا بیس برس تک جنگ جاری رکھنے کا جو نعرہ انہوں نے دیا اسے بھی عوام نے بسر و چشم قبول کیا اور جب جنگ بندی قبول کر لیا تو بھی سب نے سمعاً و طاعۃً کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔ یاد رکھنا چاہیے ایسے سخت و پیچیدہ حالات میں عوام اور فوج دونوں پر کنٹرول بہت مشکل امر ہوتا ہے اور اگر ایران میں امام خمینیؒ جیسا عظیم رہبر نہ ہوتا تو ملک میں انتشار و خانہ جنگی کے پھیل جانے کا سراسر خطرہ موجود تھا۔

ایک انفرادیت حضرت امامؒ کی عالمی قیادت کی یہ بھی ہے کہ اول و آخر، جنگ و صلح، کوشش و کامیابی ہر مرحلے پر اپنا ناطہ صرف عوام سے قائم رکھا اور ملک کے اندر و باہر کے کمزور و کچلے ہوئے عوام اور علماء ان کے مخاطب رہے انہوں نے کسی بڑے سیاست داں سے نہ رابطہ رکھا نہ ہی کسی ملک کے سربراہ کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھا نہ خود کسی مستکبر حکمراں سے ملے نہ اس کے پاس گئے اور یہیں پر امام خمینیؒ و سید جمال الدین اسد آبادی کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں۔ اوّل الذکر نے عوام کے نچلے طبقہ کو نظر میں رکھا اور ان کی تربیت کر کے ان سے کام لیا اور مؤخر الذکر کا تعلق خواص کے طبقے یا فرمانروایان مملکت و رہبران سیاسی و دینی سے تھا۔ امام خمینیؒ نے اگر سربراہان مملکت کو خطاب بھی کیا تو برائے نصیحت۔ وہ فرمانرواؤں سے کہتے کہ اپنے عوام کے ساتھ عدل و انصاف سے کام لو، ان کا حق دو، اسلام کی ترازو پر اپنے اعمال کو تولو، ان کی آزادی کو سلب نہ کرو اور عوام سے یہ کہتے تھے تم اپنی طاقت جانو، اپنی شناخت کے لئے قیام کرو اور اپنا حق لینے کے لئے برائے خدا اٹھ کھڑے ہو۔ علماء سے کہتے تھے کہ وسائل و امکانات، نتیجہ و ثمر کی پروا کیے بغیر عمل کے میدان میں پیغمبرؐ کی طرح آ جاؤ، ہمت کرو تو خدا بھی مدد کرے گا۔ اسلام کی فریاد کو پہونچو، قرآن کی فریاد سنو۔ یہی آواز ۱۵؍ خرداد ۱۳۴۲ھ ش کو امامؒ نے مدرسۂ فیضیہ سے لگائی تھی اور شاہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ ''تو اسلام و قرآن سے دشمنی ختم کر دے اسرائیل و امریکہ کی دوستی سے توبہ کر۔ ہمیں تاج و تخت نہیں چاہئے بلکہ صرف اسلام و قرآن کی عزت و حرمت کو واپس لانا منظور ہے۔''

اسرائیل سے معدوم شاہ کی بے انتہا وابستگی امام

خمینیؒ کے لئے شروع سے سوہان روح رہی ہے اور وہی از ابتدا تا ایں دم واحد مسلم قائد ہیں جنہوں نے اسرائیل کو امریکہ کی ناجائز اولاد کہا اور اس کو تسلیم کرنے کی ہر قیمت پر مخالفت کی بلکہ اقوام متحدہ سے اس کی ممبری کو ختم کرنے کے لئے پوری جدجہد کی لیکن عرب ممالک کی دورخی پالیسی سے وہ اس نیک مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اور امریکہ اپنی چال چل گیا آج اسرائیل کو تسلیم کرنے کی باتیں اکثر عرب ممالک بے شرمی کے ساتھ کر رہے ہیں امام خمینیؒ اس مسئلے پر روس سے بھی ناراض تھے کیونکہ اسرائیل کی غیر قانونی حکومت کو تسلیم کرنے والوں میں وہ دوسرا بڑا ملک تھا۔ امریکہ واسرائیل کے خلاف اگر امام خمینیؒ اپنی تبلیغ بند کردیتے تو شاہ معدوم سے ان کا اتنا شدید اختلاف ہرگز نہ ہوتا۔ اس بات کا ذکر ہم نے اس لئے کیا ہے تاکہ یہ بتایا جاسکے کہ امام خمینیؒ اقتدار پانے سے پہلے ہی عالم اسلام کے ساتھ فلسطینیوں کے ہمدرد و مددگار اور اسرائیل سے نفرت کرتے تھے۔ اخوان المسلمین کو بھی حضرت امامؒ اور ان کے پیروؤں کی حمایت حاصل تھی۔ فلسطین کانفرنس میں وہ اپنے نمائندوں کو خاموشی کے ساتھ بھیجتے تھے۔ قاہرہ میں دار التقریب اسلامی کی بنیاد وتصور میں وہ آیت اللہ بروجردی کے ساتھ تھے بلکہ اتحاد اسلامی کے مسئلہ میں وہ اپنے پیشرو سید جمال الدین اسدآبادی سے زیادہ شدت پسند تھے اور وہ وحدت کلمہ کو کلمہ توحید کے ہم پلہ گردانتے تھے لیکن اس اتحاد کی بنیاد ملیت اور پان اسلامزم پر نہیں اسلام پر تھی۔ یہ ان کا فیصلہ تھا جسے انہوں نے تحقق بخشا اور ان کی زندگی میں ان کو کامیابی ہوئی اور ''لَاشَرْقِیَةَ وَلَا غَرْبِیَة ، اِسْلَامِیَۂ اِسْلَامِیَۂ'' کے ساتھ ''لَاشِیْعِیَۂ وَلَا سُنِّیَۂ ، اِسْلَامِیَۂ اِسْلَامِیَه'' کی صدائیں تمام عالم اسلام کے گوشے گوشے میں گونج گئیں۔ یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ امام خمینیؒ کی صدائے اتحاد ہر حلقہ اور ہر مرحلہ کے لئے اور ہمیشہ کے لئے تھی وقتی نہیں ملک وملت کا اتحاد، شیعہ سنی کا اتحاد، مستضعفین عالم کا اتحاد، حوزہ ودانشگاہ کا اتحاد، حکومت وعوام کا اتحاد، علماء اور امت اور خود روحانیوں کے اتحاد کا مطالبہ ملت اسلامیہ میں صرف امام خمینیؒ کی دین ہے یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی و غیر اسلامی ملکوں میں اب اسلامی گروہ ایک قوی سیاسی عنصر بن کر ابھر رہا ہے اور سیکولرزم ونیشنلزم ومیٹریلزم کی دیواروں کو سیلن لگ گئی ہے اور نائیجیریا، اردن، مصر، الجیریا، انڈونیشیا ، ٹیونس اور کئی ملکوں میں اسلامی جماعتوں کی کامیابی کے دروازے بالکل پاٹوں پاٹ کھل گئے ہیں اور عالمی سیاسی تسلط پر اسلام ایک قدرت مند آئیڈیالوجی کے طور پر جلوہ افگن ہورہا ہے۔ اسلام کے نظام کو تسلیم کیا جانے لگا ہے اور ہر طرف حکومت اسلامی کا شور ہے لیکن امامؒ نے اسلام کا بھی تصفیہ وتنقیہ کیا ہے اور اسلام اصلی اسلام حقیقی یا اسلام خالص وناب محمدیؐ کو اسلام امریکائی و مارکسیسٹی سے الگ کیا ہے ۔علماء روحانیت کو اسلام کا محافظ واجرا کنندہ بتاتے ہوئے ان کے احترام ورعایت کی نصیحت کے بعد بھی درباری علماء کو اسلام کے جسم کا ناسور اور متحجرین وجمود پسند علماء کو بدگوشت کہا ہے اور اس تفریق کے بعد سنی وشیعہ کی تقسیم دم توڑ دیتی ہے اس لئے کہ دونوں فرقوں میں درباری علماء کل اور آج دونوں

زمانے میں رہے اور انہوں نے دشمنان اسلام سے زیادہ روحانی لباس کی آڑ میں اسلام کو دانستہ ضرر پہنچایا ہے۔

امام خمینیؒ کے منفرد نظریہ قیادت واسلوب رہبری کا راز جاننے کے لئے مستکبرین و مستضعفین کی بازیافت پر بھی خصوصی توجہ دینا ضروری ہے جو قرآن مجید کی صدہا سال قدیم اصطلاحیں ہیں امام خمینیؒ نے اپنی عملی سیاست کی بنیاد انہی دو زمینوں پر رکھی اور ساری دنیا کو استکبار واستضعاف میں بانٹ کر مستضعفین کو سینے سے لگایا اور ان کی وکالت فرمائی اور استکبار کے تمام کنبے، قبیلے، حوالی موالی کو ٹھوکریں لگاتے رہے نتیجتاً جتنا عالم استکبار ان کے خون کا پیاسا ہوتا گیا مستضعفین کا سیل رواں امامؒ کے حریم سیاست کی طلا یہ گردی کرنے لگا جس کی ایک مثال نمیبیا کے سیاہ فام رہنما سام نجوما کی ہے۔ ۲۷ سال کی جلاوطنی کے بعد جب ان کو وطن جانے کا مژدہ وموقع ملا تو پہلے وہ تہران میں امام خمینیؒ کے مزار پر پہونچے اور کہا کہ امام کے مرقد کی زیارت سے مجھے عجیب تازہ قوت ملی ہے۔

مستضعفین و مستکبرین اور ان کے گرگوں اور آلہ کاروں پر امامؒ کی نظر و توجہ برابر رہی اور اسی نظریہ کی کامیابی نے ایران سے کمیونسٹوں اور سوشلزم نوازوں کی فکری جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دیں اور حضرت امام رضوان اللہ علیہ کی رحلت کے چند ماہ بعد ہی نصف کرۂ ارض میں استکبار شرق کو مرگ ناگہاں نے آ کر گھیرا اور بقیہ نصف دنیا بھی اسی روش پر چل پڑی ہے۔

آخر میں امام خمینیؒ کی رہبری کی ایک معرکہ آرا صفت کا بیان بھی ضروری ہے جو ان کی ذات ہی کی طرح کمیاب یا نایاب ہے اور وہ ہے اقتدار کے مرکز ہی نہیں بلکہ دائرے سے بھی اپنی اولاد امجاد، اعزہ واقارب واحباب کو الگ رکھنا۔ وہ اپنے تئیں خادم قوم کہتے تھے اسی طرح سے اپنے متعلقین سے بھی غیر رسمی خدمت اسلام چاہتے تھے۔ ان کے برادر بزرگ، فرزند رشید اور بے شمار قریبی عزیزوں کی زندگی اس کی گواہ ہے کہ انہوں نے اول روز سے یہ طے کر لیا تھا کہ حکومت سے ان کے اپنے خاندان کا کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ اس اصول پر حضرت امامؒ سختی سے قائم رہے اور کوئی دباؤ انہیں اس راہ سے ہٹا نہیں سکا۔

حضرت امام خمینیؒ کی ہستی اعلیٰ خصائل و بے نظیر کردار کے لحاظ سے ایک بحر ذخار و دریائے ناپیدا کنار ہے ان پر ابھی تک میری اطلاع کے مطابق چھوٹی بڑی سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اس سے زیادہ لکھی جا رہی ہیں یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ''اِن تَنْصُرُو اللّٰہَ یَنْصُرْ کُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ'' کی آیت ان کا سرنامۂ زندگی تھی۔ خدا کے سوا ان کو کچھ دکھائی نہ دیتا تھا نہ کوئی نظروں میں سماتا تھا ہم سب سے ان کا یہی تقاضا تھا کہ جو کرو خدا کے لئے جو سوچو خدا کے لئے ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' کا وہ جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ وہ ہر تاریخی و عظیم دن کو خصوصاً ۱۵ رخرداد و ۲۲ ربہمن کو ''یوم اللہ'' کہتے تھے اس لئے ان کے قول کے مطابق ان کی ولادت ووفات کا دن بھی یوم اللہ ہے لیکن خود ان کو ہم کیا کہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا وہ ''مرد اسلام'' تھے یا ''مرد قرآن''، ''مرد سال'' یا ''مرد

قرن''، ''مرد تاریخ'' ''مرد ایران'' یا ''مرد خدا'' بے شک ''مرد خدا'' ہی ان کے موزوں ومناسب ہے کیونکہ ان کی نظر میں یا تو خدا تھا یا پھر اس کے نیک بندے مظلوم ولاچار عوام۔

آخر میں بر سبیل تذکرہ یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جس طرح حضرت امام خمینیؒ کے جملہ معتقدات و احساسات ابتدائے زندگانی سے آخر دم تک یکساں تھے اسی طرح خانۂ خدا، حج، اہمیت کعبہ اور اس عظیم اجتماع مسلمین کے تعلق سے امامؒ کے خیالات میں اقتدار ورہبری کے قبل وبعد کے دور میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور آپ ربع صدی پہلے نجف اشرف کی جلاوطنی کے زمانے میں ہی وظیفۂ شرعی ادا کررہے تھے جو اقتدار کے بعد آپ نے کیا یعنی حج کے اجتماع سے استفادہ اور عامہ مسلمین کی خیرخواہی۔ عراق میں اگرچہ آپ فوجی وبعثی حکومت کی سخت نگرانی میں تھے لیکن جیسے ہی حج کا زمانہ قریب آتا آپ لاکھوں کی تعداد میں اپنا الٰہی وسیاسی پیغام چھپوا کر مخفیانہ طور پر سعودی مملکت میں پہونچاتے تھے امام کے فدائی ہر خطرہ مول لے کر اسے حاجیوں میں تقسیم کرتے تھے اور اتحاد اسلامی کی تحریک کو اندر اندر بڑھاوا ملتا رہتا تھا۔ اس پیغام میں یہی برأت عن المشرکین ووحدت مسلمین کی دعوت ہوتی تھی اور حاجیوں کو بتایا جاتا تھا کہ حج صرف ایک رسمی اور چند مناسک کی ادائیگی کا کام نہیں بلکہ جہان اسلام کے مفاد ومصالح پر غور وفکر کرنے اور ان کی مشکلات کا حل ڈھونڈنے کا محل ومقام ہے اور ہر حاجی کی تکلیف شرعی یہ ہے کہ وہ اس عظیم اجتماع اسلامی میں اپنا فریضہ ادا کرے، اپنا حال دوسروں کو سنائے اور دوسروں کی زبانی ان کی سماجی، معاشی، سیاسی صورت حال کو معلوم کر کے فکر مند ہو۔ انقلاب کے بعد اس رہبر عظیم نے اپنا وظیفہ ادا کرتے ہوئے اعلیٰ پیمانے پر حج کے عبادی و سیاسی پہلوؤں کو روشن کیا اور مختلف آزار ورکاوٹوں کے باوجود مسلمان امت اس پر عامل رہی مکہ ومدینہ کی زمین اور آسمان وحدت کلمہ اور کفر شکن نعروں سے گونجتے رہے یہاں تک کہ امریکہ و اسرائیل کے لئے یہ آوازیں قاتل بننے لگیں اور انہوں نے حکومت سعودی کو مجبور کیا کہ وہ جبر وستم ظلم وشقاوت، ہیکڑی اور فریب کے زور پر اس عظیم مشن کو اس انوکھی درس گاہ کو بند کردے اور مکہ کی مقدس زمین حرم امن الٰہی کو بے گناہ مسلمانوں کے خون سے رنگین کر کے ایرانی زائرین، ایرانی حکام اور رہبر انقلاب اسلامی کی تصویر کو عام نگاہوں میں خراب کردے لیکن امامؒ کی رحلت سے چند ماہ پہلے ہی ان کا طلسم ٹوٹ گیا مسلمانان عالم کو دوست ودشمن کی پہچان ہوگئی اصل ونقل کا فرق واضح ہوگیا اور آج دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو کر اصل حقیقت سامنے آگئی ہے کہ نام نہاد پاسبان حرم کو حرم ومقدسات اسلامی سے کتنی دلچسپی ہے اور انشاء اللہ دن بہ دن تاریکی کے بادل چھٹتے جائیں گے اور جلد ہی پھر ساری دنیا کے مسلمان حج کے ایام خدائی میں مثل سابق مشرکین سے برأ اور اتحاد اسلامی کی دعوت کا ملی فریضہ انجام دینے میں آزاد ہونگے اس وقت اس رہبر عظیم کی یاد ہر دل میں ہوگی اور لب پر اس کے لئے دعائے خیر ''وَلَاتَهِنُوْا وَلَاتَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ'' خلاصہ یہ کہ ان کی حیات بھی اسلام وامت کے لئے نعمت تھی اور ان کی وفات بھی۔ ان کا کام، ان کا امتحان پورا ہوا وہ کامیاب ہوئے اور اللہ نے ان کو اپنے پاس بلایا۔

ظلم کو روکنے کے لئے معجزہ کیوں نہیں......؟

حجۃ الاسلام عبدالعظیم المہتدی البحرانی

ترجمہ: مولانا نثار احمد زین پوری صاحب

جو سوال اٹھایا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ ظلم کو روکنے کے لئے معجزہ کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: اسلام وہ دین ہے جو عمل کرنے والوں کو اہمیت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہمیں بہت ساری آیات ملتی ہیں جو کہ اعمال صالح کی دعوت دیتی ہیں۔ تقریباً ۱۲۶ آیات میں بلکہ اس سے بھی زیادہ، خدا کے اس قول اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کا مفہوم ہے یا واضح طور پر اعمال صالح کا ذکر ہے۔

بہت سی آیات جہاد سے متعلق ہیں۔ جہاد، نیکیوں کے حصول کے لئے عملی طور پر پوری کوشش کرنے کا نام ہے۔ اس اعتبار سے جہاد، عمل صالح کی معراج ہے اور خدا کے نزدیک اس کی اہمیت ہے جیسا کہ وہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: فَضَّلَ اللّٰہُ الۡمُجَاهِدِیۡنَ عَلَی الۡقَاعِدِیۡنَ اَجۡراً عَظِیۡماً۔ خدا نے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں اجر عظیم عطا کیا ہے۔ (نساء ۹۵)

نیز فرماتا ہے: اَجَعَلۡتُمۡ سِقَایَةَ الۡحَاجِّ وَعِمَارَةَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ کَمَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ لَا یَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظَّالِمِیۡنَ۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ اور اس پر ایمان رکھتا ہے اور راہ خدا میں جہاد کرتا ہے، یہ دونوں خدا کے نزدیک ہرگز برابر نہیں ہوسکتے اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا۔ (توبہ ۱۹)

کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ جو لوگ بیت اللہ الحرام، خانۂ کعبہ کے حاجیوں کو پانی دیتے ہیں اور اس شدید گرمی میں انہیں مکہ میں سیراب کرتے ہیں، یا جس کے ہاتھ میں خانۂ کعبہ کی کلید اور حرمین شریفین کا انتظام ہے وہ اس شخص سے افضل ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور راہ خدا میں جہاد کرتا ہے۔

ہرگز نہیں۔ اگرچہ حاجیوں کو پانی پلانا اور حرمین شریفین کا نظم ونسق برقرار رکھنا خود عمل صالح ہے۔

سنی و شیعہ مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب فضل بن شیبہ نے عباس پر فخر کیا اور کہا: میں گھر والا ہوں، میرے ہاتھ میں کعبہ کی کلید ہے اور میرے پاس اس کا پردہ ہے۔ عباس نے کہا: میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اور یہ منصب ہمارا ہے۔ علی ابن ابیطالبؑ نے دونوں کو مخاطب کرکے فرمایا: میں تم لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکا، میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے نماز پڑھی اور میں نے

جہاد کیا! تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(اسباب النزول، مؤلف امام واحدی)

پس اسلام اس لحاظ سے عمل صالح، راہ خدا میں جہاد اور دین اسلام کی بنیاد کو مستحکم کرنے کے لئے سخت ذمہ داریوں کو سنبھالنا، اس کے نظام، مقدسات اور اقدار سے دفاع کرنے کا نام دین ہے۔ کیونکہ اسلام، انسان کے خود اس کے نفس، اس کے پروردگار اور ان لوگوں سے روابط کی تنظیم کے لئے آیا ہے جو اس کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

اور یہ کام اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب خدا کی ان حدود پر عمل کیا جائے جو کہ شریعت اسلام میں حلال و حرام کے عنوان سے بیان ہوئی ہیں۔ اسی لئے رسولؐ نے فرمایا ہے:

''دنیا عمل کی جگہ ہے حساب کی نہیں۔'' اس سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ خداوند عالم اس حیات کو انسان کی آزادی کا میدان رکھنا چاہتا ہے اگر وہ عمل صالح انجام دیتا ہے تو اسے اجر ملے گا اور برے اعمال انجام دے گا تو اس پر اسے عذاب ہوگا۔ اس حیات میں وہ جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ خدا نے اچھے برے راستہ کی نشانیاں ایک ساتھ بیان کر دی ہیں اور آخرت کو دنیا میں کئے گئے اعمال کا بدلہ دینے کے لے رکھا ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ (زلزال ۸۔۷)

دوسری آیت میں قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ انسان کے اعمال کے نتائج پہلے دنیا میں اور پھر آخرت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى۔ ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى۔ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى۔ اور انسان کے لئے صرف اتنا ہے جتنی اس کی کوشش ہے اور عنقریب اس کی کوشش اسے دکھا دی جائے گی اور اس کے بعد اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بیشک آخری منزل تمہارے پروردگار کی بارگاہ ہے۔ (نجم ۳۹۔۴۲)

دنیا میں قانون عمل ہے اور یہی وہ اصل اساس ہے کہ جس پر ثواب و رفعت اور عقاب و ذلت کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا، سستی برتنا اور بغیر کوشش کے امیدوں اور تمناؤں کی دنیا آباد کرنا، آرام و کشائش کے انتظار میں وقت ضائع کرنا، زندگی میں سنت خدا سے نکلنا اور دین حنیف کے قانون کی پابندی نہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جب رسولؐ کسی شخص کو دیکھتے تو دریافت کرتے کیا یہ کوئی ہنر جانتا ہے؟ اگر جواب دیا جاتا کہ نہیں۔

تو آپؐ فرماتے یہ میری نظروں سے گر گیا۔

لہٰذا ہمیں اپنی خواہشات سے متاثر ہوئے بغیر اپنی عقلوں سے یہ سوال کرنا چاہئے کیا یہ صحیح ہے کہ ہم علمی، تربیتی تجارتی، صنعتی میدانوں میں کوشش کی جد و جہد ترک کردیں اور اپنی آنکھیں آسمان پر لگا کر اس بات کا انتظار کرتے رہیں کہ ہمیں معجزہ کے ذریعہ گلوخلاصی اور رزق ملے۔ اسلام میں، اصل معجزوں کا انتظار اور غیبی مدد کے ذریعہ مصیبتوں کا ازالہ ہے۔

(جاری۔۔۔)

قصیدہ در مدح
سید الساجدین حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام

امتیاز الشعراء سید محمد جعفر قدسی جائسی

ڈوبی ہوئی نبضوں سے بیمار محبت کی
حد کون ملاتا ہے طول شب فرقت کی

خود داری جلوہ سے للہ کوئی پوچھے
حسرت بھی کوئی نکلی مشتاقِ زیارت کی

ہمت دل شیدا کی گھٹتی چلی جاتی ہے
بڑھتی چلی جاتی ہیں گھڑیاں شبِ حسرت کی

سن سن کے مرے نالے، دل والوں کے دل تڑپے
پھر درد نے اٹھ اٹھ کے پہلو میں قیامت کی

سرگشتۂ ہجراں کا سر اور درِ جانانہ
تقدیر کہو جاگی سوتی ہوئی قسمت کی

سینہ میں دل اور دل میں ضو پاش ہے داغ عشق
پھیلی ہے زمانے میں تنویر محبت کی

دو پھول چڑھانے بھی اک روز نہ تم آئے
برباد ہوئی کیسی مٹی مری تربت کی

تم بھی تو کبھی دیکھو منظر مری تربت کا
نکلے تو کسی صورت حسرت مری حسرت کی

محشر ہے تو ہونے دو واللہ نہیں ڈرتا
کہدوں گا خدا سے بھی ہاں میں نے محبت کی

دشوار سنبھلنا ہے بیمارِ محبت کا
ہچکیاں کیا کہئے طولِ شب فرقت کی

بالیں پہ ترس کھا کر آخر وہ چلے آئے
صد شکر کہ بر آئی آج آرزو مدت کی

ہر ذرّہ مرے دل کا اک مہر درخشاں ہے
اللہ ری ضیاباری خورشید امامت کی

منظور خدا یوسف کنعان محمدؐ کا
سر تا بقدم گویا تصویر نبوت کی

یہ قولِ خداوندی یہ کلمۂ ربانی
تصویر وجاہت کی تفسیر کرامت کی

ذی جاہ و علی تمکیں حق منظر و حق آئیں
زیب چمن یسیں نکہت گل وحدت کی

یہ ماہِ جلالت ہے یہ شمسِ ہدایت ہے
یہ مہر صداقت ہے فرمان رسالتؐ کی

لخت جگر حیدرؑ آرام دل شبرؑ
کونین کا سر دفتر معیار شرافت کی

یہ آیۂ عصمت ہے یہ مصحف عزت ہے
یہ نور کی صورت ہے یہ شان ہے رحمت کی

گنجینۂ بخشش ہے آئینۂ حکمت ہے
سر چشمۂ احساں ہے تصویر ہے رحمت کی

محمود بھی حامد بھی منصور بھی ناصر بھی
اس سے نہ مڑیں نظریں اربابِ بصیرت کی

عقبےٰ میں جناں اس کی اور حور و قصور اس کے
جس بندے نے دنیا میں مولا سے محبت کی

دامن میں لئے آئی توحید ضیا موتی — جو لہر کبھی اٹھی دریائے رسالت کی
یا رب تری رحمت نے فرما دیا مستغنی — دولت مجھے کافی ہے عرفان حقیقت کی
دل یاد الٰہی میں سر سجدۂ طاعت میں — تا عرش ہیں تنویریں خورشید امامت کی
عباد کی یہ زینت زہاد کا یہ مولا — یہ روح عبادت کی یہ جان ریاضت کی
پھر کیوں نہ دو عالم کی معمور فضائیں ہوں — قدرت ہی جو شیدا ہو گلبانگ امامت کی
جاتے ہوئے جنت میں روکا تو گیا تھا میں — لیکن مرے مولا نے بروقت شفاعت کی
ہے نام علیؑ اس کا رتبہ ہے جلی اس کا — پائی نہ کسی نے بھی حد عزت و رفعت کی
ماں اس شہ والا کی ایران کی شہزادی — باپ اس کا بضاعت ہے خاتونِ قیامت کی
سجاد لقب اس کا سجدوں کا فروغ اس سے — دی اس نے دو عالم کو تعلیم عبادت کی
اب مدحت حاضر میں مطلع پڑھو اے قدسیؔ — دکھلا دو روانی کچھ دریائے طبیعت کی
رونق ترے جلووں سے محراب عبادت کی — زینت ترے قدموں سے سجادۂ طاعت کی
سکّہ تری عصمت کا قرآں نے بٹھایا ہے — تطہیر کی آیت ہے تفسیر کرامت کی
کیوں چشم تامّل سے دیکھوں نہ ترا جلوہ — روشن ہے مرے دل میں قندیل حقیقت کی
جس نے بھی تجھے دیکھا دم بھرنے لگا تیرا — اللہ ری دل آویزی صنعِ یدِ قدرت کی
عاصی کو بھی ہاتھ آئی ہمسایگیٔ رحمت — کیا خوب ہدایت کی سر منزل جنت کی
لذّت کش یادِ حق واللہ تھی ہر ساعت — روزوں میں گذارے دن راتوں کو عبادت کی
محتاج تھی اک دنیا اس وقت شفاعت کی — عقبےٰ میں جزا پائی ہم نے تری الفت کی
جلوہ تری زلفوں کا جب نور فشاں ہوگا — الجھے گی کرن کب تک خورشید قیامت کی
مرنا تری الفت میں در اصل شہادت ہے — یہ راہ جو طے ہو تو پھر سیر ہے جنت کی
پہچانی ہوئی منزل آگاہ مسافر بھی — بھولے نہ ملک راہیں تیرے درِ دولت کی
حوروں کا نہ سودا ہے خواہش ہے نہ جنت کی — بس دل میں تمنا ہے تیری ہی زیارت کی
عقبےٰ کا سفر ہے اور ہے بے سر و سامانی — یا شاہ ضرورت ہے اب لطف و عنایت کی
تو سبطِ پیمبرؐ کو چالیس برس رویا — پھر بھی نہ ہوئی کچھ کم بے چینی طبیعت کی
محکوم بشر تیرے ممنون ملک تیرے — کیا رنگ جلالت ہے کیا شان ہے عظمت کی
کونین کا تو حامی اور مضطر و نالاں میں — نوبت نہیں آتی ہے کیوں میری حمایت کی
احمدؐ کے تصدق میں محمود کے صدقے میں — قدسیؔ پہ نظر ہو جلد اب لطف و عنایت کی

مدح امام چہارم علیہ السلام

حسان الہند مولانا سید کامل حسین نقوی کامل جائسی

نہ رہا کچھ بھی مری خاک میں الفت کے سوا
خیر کچھ بچ تو گیا خارج قسمت کے سوا

کبھی دو دل نہ ملے گرمیٔ الفت کے سوا　دل میں ٹانکا نہ لگا سوز محبت کے سوا
دل میں کچھ بھی نہ سمایا تری الفت کے سوا　آئینہ تنگ نظر ہے تری صورت کے سوا
خوب معلوم ہے پرکاریٔ ارباب جمال　فائدہ عرض تمنا سے خجالت کے سوا
یہ دم نزع تو ہی ہے کہ مجھے دھوکا ہے　سب کو پہچان رہا ہوں تری صورت کے سوا
میری تصویر میں اب سرخیٔ امید بھی ہے　رنگ کچھ اور چڑھا زردئی الفت کے سوا
ہم بھی خیرات گہہ روز ازل سے گذرے　ہم کو بخشا نہ گیا حسن طبیعت کے سوا
کس قدر عالم تخلیق میں رنگینی ہے　اور مقصود نہیں کچھ میری حیرت کے سوا

کچھ مرے پاس نہیں اشک ندامت کے سوا
پھر بھی کہتا ہوں نہ لوں گا تری جنت کے سوا

ذرۂ فاضل طینت ہوں کہاں جاؤں گا　چین پائے گی نہ جنت میری طینت کے سوا
واہ رے سید سجادؑ ترا کیا کہنا!　آسماں تنگ نہ ہوتا تری وسعت کے سوا
ان سے باتیں تو بہت کیں ہیں مگر وقت جواب　اے کلیم اور بھی حاصل ہوا لکنت کے سوا
سنگ اسود کو گواہی پہ زباں ملتی ہے　وہ بھی ہوتا ہے جو کہلاتا ہے قسمت کے سوا
بھر دیا دامن سائل کو سوا دامن سے　اور ظاہر نہ کیا اپنی ندامت کے سوا
علم آدمؑ ہو کہ ادریسؑ، معلم ہیں حضور　درس گاہ ملکی ہے، در دولت کے سوا ؟
مومنہ کے تن بے جان میں جان آتی ہے　بات وہ ہے کہ جسے کہئے قیامت کے سوا
جز غم آل نبی کچھ نہیں ہم کو درکار　کوئی کیا لے کے کرے اپنی ضرورت کے سوا
دست نقاش ازل کھینچ کے تیری تصویر　جیسے سب بھول گیا ہو تری صورت کے سوا
یہ شکایت نہیں انداز طلب ہے مولاً　علم ہر شے کا تمہیں ہے مری حالت کے سوا

تیرے شیعوں کیلئے یہ تو تھی منہ مانگی مراد
اے رسولؐ اور بھی کچھ اجر رسالت کے سوا

مدح امام زین العابدین علیہ السلام

سید الشعراء مولانا سید محمد حسن سالک مرحوم

جس کو حاصل ہو گیا عرفان زین العابدینؑ
سمجھو اس کو مل گیا دامان زین العابدینؑ

میہماں سے کہتا جاتا تھا ہر اک قطرے کا رنگ
دیکھتا جا جوہر نیسان زین العابدینؑ

کیوں نہ سمجھے چشم گریاں کیوں نہ سمجھے زندگی
سایۂ ابر کرم دامان زین العابدینؑ

پردۂ دل سے نظر تک آیا نظارے کا رنگ
ہے افق پر نیّر عرفان زین العابدینؑ

اک نگینہ جن کے رنگ رخ سے ضو دینے لگا
صبر کے خاتم پہ اطمینان زین العابدینؑ

موج کوثر اٹھ کے دیکھے میری نظروں کا خمار
پی رہا ہوں ساغر عرفان زین العابدینؑ

دیدۂ حق بیں سے دیکھے تو سمجھ میں آئے گا
عالم ہستی پہ ہے احسان زین العابدینؑ

کربلا تھی رزم شبیری کی اے دل یادگار
شام کا بازار تھا میدان زین العابدینؑ

اک طرف سجدوں کی دنیا اک طرف دنیائے خلد
اللہ اللہ وسعت دامان زین العابدینؑ

ابتدا نور محمدؐ، انتہا نور علیؑ
وجہ خلقت ہو گیا ایمان زین العابدینؑ

پیش داور آپ ہی روز جزا فرمائیں گے
میری بخشش دیدۂ گریان زین العابدینؑ

اک طرف داغ محبت اک طرف حسن خلوص
اک طرف ہیں سنبل و ریحان زین العابدینؑ

صاف ظاہر کر رہی ہے یہ مشیت کی صدا
انت زین العابدیں ہے، شان زین العابدینؑ

روح ایمانی ہوئی صدقے یہ منظر دیکھ کر
یوں بھرے دربار میں اعلان زین العابدینؑ

شعلۂ نار جہنم آنہیں سکتا ادھر
بیچ میں حائل جو ہے ایمان زین العابدینؑ

کیوں کہے مہماں سے کچھ امکان زین العابدینؑ
آپ دیکھے منظر فیضان زین العابدینؑ

عرش سے ہوتی ہوئی پہونچی ہے جنت کی مہک
جب اڑے ہیں گیسوئے پیچان زین العابدینؑ

ابر گوہر بار ٹھہرا چوم کر دست کرم
بھر گیا جب دامن مہمان زین العابدینؑ

شور تھا گھر میں مگر مصروف طاعت تھے امام
چاہ میں آیا مہ تابان زین العابدینؑ

اس خبر سے رنگ رخ اپنی جگہ قائم رہا
اللہ اللہ قوت ایمان زین العابدینؑ

طاعت رب ختم کر کے جب مصلّے سے اٹھے
پھر نمایاں یوں ہوا امکان زین العابدینؑ

یوں ابھارا جس طرح مغرب سے پلٹا آفتاب
سن کے آبِ چاہ نے فرمانِ زین العابدینؑ

مذمت طمع

علامہ سید ظفر مہدی نقوی گہر جائسی

قال امیر المومنین علیہ السلام ''ازری بنفسہ من استشعر الطمع'' اس شخص نے اپنے نفس کو معیوب کر دیا جس نے طمع کو ہمدم بنالیا۔

طمع سے بڑھ کے جہاں میں کوئی عذاب نہیں / یہ برق وہ ہے کہ جس میں نشان آب نہیں
یہ سبزہ زار ہے آئینہ خیال کا زنگ / یہ بوستان ہے خون مراد سے گلرنگ
یہی ہے صاعقۂ عقل و دانش و ادراک / ہر اک جمیل پہ بدزیب ہے یہی پوشاک
یہی مرض ہے رگ دہر میں جو ساری ہے / ہر ایک شاہ پہ بھی اس کا حکم جاری ہے
اسی فلک کے تلے گھومتا ہے اک عالم / اسی زمیں پہ پھسلتے ہیں عالموں کے قدم
اسی نے طرز بدل ڈالے ہیں نگاہوں کے / بٹھا رکھا ہے اسی نے دروں پہ شاہوں کے
جو کچھ ہے حصۂ قسمت وہ آہی جائے گا / بشر عطیہ معبود پا ہی جائے گا
وہی ملے گا جو فرمان کبریا ہوگا / طمع ہزار سوا ہو، پھر اس سے کیا ہوگا
طمع جو ہو نہ تو کا ہے کو کوچہ گردی ہو / نہ ہو یہ عیب تو پھر کیوں جہاں نوردی ہو
خوشامدیں امرا کی نہ ہوں سوال نہ ہو / یہی نہ ہو تو نہ ملنے کا پھر ملال نہ ہو
ذلیل کس لیے ہوتا؟ بشر زمانے میں / نہ دیتا دخل جو خالق کے کارخانے میں
خیال مال نہیں نفس کی فقیری ہے / طمع جوان نہیں آبرو کی پیری ہے
یہ وہ صفت ہے کہ جس نے ہزاروں گھر لوٹے / اسی کی آنچ سے کمھلا گئے ہیں گل بوٹے
اسی کے زور سے حق ہو گیا ضعیف و نزار / اسی نے پست کئے آسماں مثال حصار
اسی کے ہاتھ سے جنگ جمل ہوئی قائم / اسی نے قتل کئے ہیں مصلی و صائم
اسی کے ہاتھ تھی صفین کی صف آرائی / اسی نے فتنۂ شوریٰ کی راہ بتلائی
یہی عمود خلافت بنی سقیفہ میں / یہی محرف اول تھی ہر صحیفے میں
اسی نے زہر کی تجویز کی برائے حسنؑ / خوشی اسی نے منائی بجائے ''ہائے حسنؑ''
اسی نے مملکت رے کو کر دیا محبوب / تباہ ہو گئے غرب و شمال و شرق و جنوب
یہ جوش حرص عمر تھا کہ رک نہ سکتا تھا / زمین کانپتی تھی آسماں کو سکتا تھا
رئیس فوج بنا تا بہ کربلا آیا / سپاہ کا ہے کو تھی ساتھ ایک بلا لایا

ادھر محبت دنیا میں جمع لشکر تھے
ادھر امام کے ہمراہ کل بہتر تھے
رسول زادے پہ روکا شقی نے آب رواں
عطش سے سوکھ گئی جان مصطفی کی زبان
تمام حجت حق نے لعیں پہ حجت کی
ہر ایک ناصر اسلام نے نصیحت کی
مگر نہ حرص نے ہونے دیا اثر کوئی
نہ آیا حرؑ کے سوا حق کی راہ پر کوئی
ہر اک مجاہد دیں آب نہر کو ترسا
حسین قتل ہوئے آسماں سے خوں برسا
یہ وہ صفت ہے کہ جس سے یہ آفتیں آئیں
جہاں میں قبل قیامت قیامتیں آئیں

قومی یکجہتی

مولوی سید اشتیاق حسین رضوی ساحرؔ فیض آبادی (کراچی)

اتحاد عالمِ اسلام کی باتیں کرو
اے خطیبو! کچھ تو یارو کام کی باتیں کرو
ڈس نہ جائے نفرتوں کی تیرگی ماحول کو
صبح کی خاطر وداعِ شام کی باتیں کرو
حج اکبر کا بدل ہے کعبۂ دل کا طواف
خرقہ پوشو! جامۂ احرام کی باتیں کرو
پختہ کارانِ خطابت تم سے یہ کس نے کہا
زعمِ ناقص کی خیالِ خام کی باتیں کرو
کر چکے ہو اپنے اپنے نام کی باتیں بہت
بس خدارا بس خدا کے نام کی باتیں کرو
جھانک لو اپنے گریبانوں میں بھی منہ ڈال کر
دوسروں پر جب کبھی الزام کی باتیں کرو
نوعِ انساں سے محبت دین کی بنیاد ہے
مجلسوں میں دین کے احکام کی باتیں کرو
اہل ایماں دوستدارانِ محمدؐ کی طرح
جب کرو پیغمبرؐ اسلام کی باتیں کرو
تذکرہ مولا علیؑ کا جب عبادت ہے تو پھر
کیا ضرورت ہے کہ میر شام کی باتیں کرو
کھو نہ جائیں تلخیاں ماضی کے استبداد کی
روزوشب گذرے ہوئے ایام کی باتیں کرو
سایۂ رحمت نبیؐ کے باوفا اصحاب پر
آل پر اللہ کے انعام کی باتیں کرو
ایک ہو جائیں گے سب انسانیت کے نام پر
حضرت شبیرؑ کے پیغام کی باتیں کرو
کس طرح شبیرؑ نے جیتی حق و باطل کی جنگ
کربلا آغاز تھی انجام کی باتیں کرو

نامور لیتے ہیں سب نام علیؑ نامِ حسینؑ
تم بھی ساحرؔ کیوں کسی گمنام کی باتیں کرو